جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات "ہائے زر!"

(۱۶) کُل لڑائیاں زر کے لیے ہیں

ہوتی ہیں زر کے واسطے ہر جا چڑھائیاں
کٹتے ہیں ہاتھ، پانوں، گلے اور کلائیاں
بندوقیں، اور ہیں کہیں توپیں لگائیاں
کُل زر کی ہو رہی ہیں جہاں میں لڑائیاں

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات "ہائے زر!"

(۱۷) بچوں کی دعاؤں میں بھی زر موجود

لڑکا سلام کرتا ہے جھک جھک کے رشکِ ماہ
بوڑھے بڑے سب اُس کی طرف پیار کر کے "واہ!"
دیتے ہیں یہ دعا اُسے، تہِ دل سے خوامخواہ
"اے میرے لعل، ہو ترا سونے کے سہرے بیاہ"

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات "ہائے زر!"

(۱۸) زر کے جال میں سب پھنسے ہوئے ہیں۔

جتنی جہاں میں خلق ہے، کیا شاہ، کیا وزیر
پیر و مرید و مفلس و محتاج اور فقیر
سب ہیں گے زر کے جال[1] میں جی جان سے اسیر
کیا کیا کہوں میں خوبیاں زر کی؟ میاں نظیر

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات "ہائے زر!"

نظم نمبر ۱۲۱

مفلسی کی فلاسفی

(۲)

جب آدمی کے حال پہ آتی ہے مفلسی
کس کس طرح سے اُس کو ستاتی ہے مفلسی
پیاسا تمام روز بٹھاتی ہے مفلسی
بھوکا تمام رات سلاتی ہے مفلسی

یہ دکھ وہ جانے جس پہ کہ آتی ہے مفلسی

(۳) افلاس الٹیا

کہیے، تو اب حکیم کی سب سے بڑی ہے شاں
تعظیم جس کی کرتے ہیں، نوّاب اور خاں

[1] اسی زر کے جال کو نظیر نے ایک مطلع میں نہایت خوبی سے باندھا ہے۔ جال ہیں زر کے اگر موتی کا دانا ہوگا + وہ نہ اس دام میں آئے گا جو دانا ہوگا۔

مُفلس ہوے، تو حضرتِ لقمان کیا ہیں یاں؟
عیسےٰ بھی ہو تو کوئی نہیں پُوچھتا، میاں
حکمت حکیم کی بھی ڈُبا تی ہی مُفلسی

(۳) عالم و فاضل ـ میاں جی ـ

جو اہلِ فضل عالم و فاضل کہاتے ہیں
مُفلس ہوے تو کلمہ تلک[۱] بھول جاتے ہیں
پُوچھے کوئی الف تو اُسے بے بتاتے ہیں
وہ جو غریب غُربا کے لڑکے پڑھاتے ہیں
اُن کی تو عُمر بھر نہیں جاتی ہی مُفلسی

(۴) مجلسِ مشائخ

مُفلس کرے جو آن کے مجلس کے بیچ حال
سب جانیں روٹیوں کا یہ ڈالا ہی اس نے جال
گر گر پڑے تو کوئی نہ لیوے اُسے سنبھال
مُفلس میں ہوویں لاکھ اگر علم اور کمال
سب خاک بیچ آکے مِلاتی ہی مُفلسی

(۵) تقسیمِ خیرات

جب روٹیوں کے بٹنے کا آکر پڑے شمار
مُفلس کو دیویں ایک، تو نگر کو چار چار
گر مانگے اور وہ تو اُسے جھڑکیں بار بار
اس مُفلسی کا آہ! بیاں کیا کروں میں ہائے
مُفلس کو اُس جگہ بھی چپاتی[۲] ہی مُفلسی

(۶) افلاس موجبِ بے غیرتی

مُفلس کی کچھ نظر نہیں رہتی ہی آن پر
دیتا ہی اپنی جان وہ ایک ایک نان پر
ہر آن ٹوٹ پڑتا ہی روٹی کے خوان پر
جس طرح کُتّے لڑتے ہیں اک استخوان پر
ویسا ہی مُفلسوں کو لڑاتی ہی مُفلسی

(۷) افلاس موجبِ افعالِ قبیحہ و رفعِ شرم و حیا ہی

کرتا نہیں حیا سے جو کوئی وہ کام آہ!
مُفلس کرے ہی اُس کے تئیں انصرام آہ!
سمجھے نہ کچھ حلال، نہ جانے حرام آہ!
کہتے ہیں جس کو شرم و حیا ننگ و نام آہ!
وہ سب حیا و شرم اُٹھاتی ہی مُفلسی

(۸) افلاس خود ایک قسم کی موت ہی

یہ مُفلسی وہ شے ہی کہ جس گھر میں بھر گئی
پھر جتنی گھر میں ست[۳] تھی اُسی گھر کے دھر گئی
زن بچے روتے ہیں گویا نانی گذر گئی
ہمسائے پوچھتے ہیں کہ گیا دادی مر گئی[۴]

۱؎ یعنی لوگ کہتے ہیں کہ کم بخت کو کلمہ تک تو درست آتا ہی نہیں ۲؎ چپانا شرمندہ کرنا۔ شرمانا۔ شرم دلانا۔ لجانا۔ پانی پانی کرنا رافت کی مثنوی سراپا سے حور کا مطلع ہی ~ وہ سب تھیں گل اندام اور مہ جبیں ؛ پری جن کو دیکھ اپنے جی میں چپیں ۳؎ ست۔ طاقت۔ زور۔ جان۔ ۴؎ خیر و برکت۔

بن مُردہ گھر میں شور مچاتی ہے مُفلسی

(۹) کوئی مر گیا تو مفلس تجہیز و تکفین بھی نہیں کر سکتا

لازم ہے گر غمی میں کوئی شور و غل مچائے
مرجاوے گر کوئی، تو کہاں سے اُسے اُٹھائے؟
مُفلس بغیر غم کے ہی کرتا ہے ہائے ہائے!
اس مُفلسی کی خواریاں کیا کیا کہوں میں؟ ہائے!
مُردے کو بن کفن کے گڑاتی ہے مُفلسی

(۱۰) ہندو مفلس بے جلائے مردہ بہا دیتے ہیں۔

کیا کیا میں مُفلسی کی کہوں خواری پھکڑیاں؟
کونوں میں جالے لپٹے ہیں، چھپّر میں مکڑیاں
جھاڑ و بغیر گھر میں بکھر رہی ہیں جھکڑیاں[۵۱]
پیدا نہ ہو ویں جن کے جلانے کو لکڑیاں
دریا میں اُن کے مُردے بہاتی ہے مُفلسی

(۱۱) افلاس سامان اسباب اور زیور وغیرہ پر بھی پانی پھیر دیتا ہے۔ خانہ ویرانی۔

بی بی کی نتھ، نہ لڑکوں کے ہاتھوں کڑے رہے
جب کڑیاں بِک گئیں، تو کھنڈر میں اڑے رہے
کپڑے میاں کے بنیے کے گھر میں پڑے رہے
زنجیر، نہ کواڑ، نہ پتھّر گڑے رہے
آخر کو اینٹ اینٹ کھُداتی ہے مُفلسی

(۱۲) افلاسِ مصور

نقاش پر بھی زور جب آ مُفلسی کرے
صُورت ہی اُس کی دیکھ کے مُنہ کھنچ رہے پرے
سب رنگ دم میں کر دے مصوّر کے کرکرے
تصویر اور نقش میں کیا رنگ وہ بھرے
اُس کے تو مُنہ کا رنگ اُڑاتی ہے مُفلسی

(۱۳) افلاسِ خوبرویاں

جب خوبرو پہ آن کے پڑتا ہے دن سیاہ
ہرگز کسی کے دل کو نہیں ہوتی اُس کی چاہ
پھرتا ہے بوسے دیتا ہر اک کو وہ خواہ مخواہ
گر حُسن ہو ہزار روپے کا تو اُس کو آہ!
کیا کوڑیوں کے مُول بکاتی ہے مُفلسی

(۱۴)

اُس خوبرو کو کون دے اب دام اور درم
ٹوپی پُرانی دو، تو وہ جانے کُلاہِ جَم
جو کوڑی کوڑی بوسے کو راضی ہو دم بہ دم
کیونکر نہ جی کو اُس چمنِ حُسن کے ہو غم!
جس کی بہار مُفت لُٹاتی ہے مُفلسی

(۱۵) افلاسِ عاشق

عاشق کے حال پر بھی جب آ مُفلسی پڑے
معشوق اپنے پاس نہ دے اُس کو بیٹھنے

۵۱۔ جھکڑی جھانکڑ کی تصغیر جھاڑی۔ خاردار درخت۔

آوے جورات کو تو نکالے وہیں اُسے — اس ڈر سے ہے یعنے رات کو ایذا کہیں نہ دے
تہمت یہ عاشقوں کو لگاتی ہے مُفلسی

(۱۶) افلاس ارباب نشاط —
کیسی ہی دُھوم دھام کی ++ ہو خوش جمال — جب مُفلسی کا آن پڑے سر پہ اُس کے جال
دیتے ہیں اُس کے ناچ کو ٹھٹھے کے بیچ ڈال — ناچے ہے وہ تو فرش کے اُوپر قدم سنبھال
اور اُس کو انگلیوں[۱] پہ نچاتی ہے مُفلسی

(۱۷)
اُس کا تو دل ٹھکانے نہیں بھاو کیا بتائے؟ — جب ہو پھٹا دُوپٹا، تو کاہے سے مُنہ چھپائے؟
وہ شام سے لے صُبح تلک گو کہ ناچے گائے — اوروں کو آٹھ سات، تو وہ دو ٹکے ہی پائے
اس لاج سے اُسے بھی لجاتی ہے مُفلسی

(۱۸)
جس ++ کا ہو فلاکت سے دل حزیں — رکھتا ہے اُس کو جب کوئی آکر + + + (تماش بین)
اک پَون پیسے تک بھی وہ کرتی نہیں نہیں — یہ دُکھ اُسی سے پوچھیے اب، آہ! جس کے تیئں
++ (چکلے) میں ساری رات جگاتی ہے مُفلسی

(۱۹) پون پیسے کا حساب
وہ تو یہ سمجھی دل میں کہ" دھیلا جو پاؤں گی — دمڑی[۲] کے پان، دمڑی کی مسّی منگاؤں گی
باقی رہے چھ دام سو پانی بھراؤں گی" — پھر دل میں سوچتی ہے کہ"کیا خاک کھاؤں گی؟"
آخر چبینا اُس کو چباتی ہے مُفلسی — (اُس کا بھُنائی)

(۲۰) افلاسِ کلاونت — (کلاونت)
جب مُفلسی سے ہووے کلاونت کا دل اُداس — پھرتا ہے لے طنبورے کو ہر گھر کے آس پاس
اک پاؤ سیر آٹے کی دل میں لگا کے آس — گوری کا وقت ہووے تو گاتا ہے وہ بھباس
یاں تک حواس اُس کے اُڑاتی ہے مُفلسی

(۲۱) مفلس کے ہاں تقریب شادی بیٹی کا بیاہ — (دہیز) (پھوٹا ہوا جیسے)
مُفلس جو بیاہ بیٹی کا کرتا ہے بُول[۳] بُول — پیسا کہاں؟ جو جاکے وہ لاوے جہیز مول
جورو کا وہ گلا ہے کہ ہو جیسے پھوٹا ڈھول — گھر کی حلال خوری تلک کرتی ہے ٹھٹھول

[۱] انگلیوں پر نچانا ہنسی اُڑانا۔ ذلیل کرنا، حیران کرنا۔ ستانا [۲] دمڑی پیسے کا چوتھا حصّہ۔ چھ دام۔ پورب میں اُدّھی کو کہتے ہیں [۳]
بول بولنا نیلام کی آواز لگانا۔ دام لگانا۔ منّت ماننا۔ کسی دیوی دیوتا کے نام کا کچھ اُٹھانا۔

ہیبت تمام اُس کی اُٹھاتی ہے مُفلسی

(۲۲) بیٹے کا بیاہ

بیٹے کا بیاہ ہووے تو بیاہی نہ ساتھ ہے
ماں پیچھے ایک میلی چدّر[1] اوڑھے جاتی ہے
نے روشنی، نہ باجے کی آواز آتی ہے
بیٹا بنا ہے دولہ تو باوا براتی ہے

دولھا

مفلس کی یہ برات چڑھاتی ہے مُفلسی

(۲۳) غریبانہ تقریب - شہدے - ہیجڑے - بھاٹ - مُنڈچرے -

گر بیاہ کر چلا ہے سحر کو، تو یہ بلا:
گھیرے ہوئے اُسے چلے جاتے ہیں جا بہ جا
شُہدا، زنانہ، ہیجڑا، اور بھاٹ مُنڈچرا[2]
وہ آگے آگے لڑتا ہوا جاتا ہے چلا

اور پیچھے ٹھٹھریوں کو بجاتی ہے مُفلسی

(۲۴) زنانہ ڈومنی مالن - سقا -

دروازے پر زنانے بجاتے ہیں تالیاں
مالن گلے کی ہار ہو دوڑے لے ڈالیاں
اور گھر میں بیٹھی ڈومنی دیتی ہے گالیاں
سقا کھڑا سُناتا ہے باتیں رذالیاں

یہ خواری، یہ خرابی دِکھاتی ہے مُفلسی

(۲۵) خطاب نکھٹو

کوئی شوم بے حیا، کوئی بولا نکھٹو ہے
بیٹی پکارتی ہے کہ: بابا نکھٹو ہے،
بیٹے نے جانا: باپ تو میرا نکھٹو ہے،
بی بی یہ دل میں کہتی ہے بھڑوا نکھٹو ہے

آخر نکھٹو نام دھراتی ہے مُفلسی

(۲۶) افلاس کے بعد ذات پات حسب نسب نظر سے گر جاتا ہے

مُفلس کا درد دل میں کوئی ٹھانتا نہیں
ذات اور حسب نسب کو کوئی جانتا نہیں
مُفلس کی بات کو بھی کوئی مانتا نہیں
صورت بھی اُس کی پھر کوئی پہچانتا نہیں

یاں تک نظر سے اُس کو گراتی ہے مُفلسی

(۲۷) مفلس کو انواع خطابات سے لوگ یاد کرتے ہیں -

جس وقت مُفلسی سے یہ آکر ہوا تباہ
والیدری[3] سے کہے، کوئی ٹھہراوے روسیاہ
پھر کوئی اُس کے حال پہ کرتا نہیں نگاہ
جو باتیں عمر بھر نہ سُنی ہوویں اُس نے آہ!

وہ باتیں اُس کو آکے سُناتی ہے مُفلسی

---

[1] چدر چادر کا مخفف [2] مُنڈچرا یہ اصل میں مُنڈت سَرا تھا جس کے معنی ہیں مُنڈی ہوئی کھوپری والا - گنجی چاند والا - یا ممکن ہے کہ مُنڈچرا مُنڈا اور چیرا سے مرکب ہو یعنی وہ شخص جو مُنڈ کر کسی بزرگ کا چیلا ہوا ہو - آزاد فقیر - بینوا [3] والیدری وَلِدّری کی قدیم شکل مُفلس غریب آدمی - منحوس آدمی - اگھوری آدمی - میلا کچیلا آدمی - میلا کچیلی -

(۲۸) مفلس کی جورو کی قدر۔

چولھے توا نہ پانی کے مٹکے میں آبی[۱] ہے
مفلس کے ساتھ سب کے تئیں بے حجابی ہے
پینے کو کچھ نہ کھانے کو، اور نے رکابی ہے
مفلس کی جورو سچ ہے کہ ہاں سب کی بھابی ہے
عزت سب اُس کے دل کی گنواتی ہے مفلسی

(۲۹) تصویرِ افلاس

کیسا ہی آدمی ہو، پر افلاس کے طفیل
کپڑے پھٹے تمام، بڑھے بال پھیل پھیل
کوئی گدھا کہے اُسے، ٹھہرا دے کوئی بیل
مُنھ خشک، دانت زرد، بدن پر جما ہے میل
سب شکل قیدیوں کی بناتی ہے مفلسی

(۳۰) ترقیِ افلاس

ہر آن دوستوں کی محبت گھٹاتی ہے
اپنوں کی مہر، غیر کی چاہت گھٹاتی ہے
جو آشنا ہیں اُن کی تو اُلفت گھٹاتی ہے
شرم و حیا و عزت و حرمت گھٹاتی ہے
ہاں ناخن اور بال بڑھاتی ہے مفلسی

(۳۱) مفلس کا عکس صفتِ حال

جب مفلسی ہوئی، تو شرافت کہاں رہی؟
کپڑے پھٹے، تو لوگوں میں عزت کہاں رہی؟
وہ قدر ذات کی، وہ نجابت کہاں رہی؟
تعظیم اور تواضع کی بابت کہاں رہی؟
مجلس کی جوتیوں پہ بٹھاتی ہے مفلسی

(۳۲) مفلس کسی کے بچوں کو بھی پیار نہیں کر سکتا

مفلس کسی کا لڑکا جو لے پیار سے اُٹھا
کہتا ہے کوئی "جوتی نہ لیوے کہیں چرا"
باپ اُس کا دیکھے ہاتھ کا اور پانوں کا کڑا
نٹ کھٹ، اُچکا، چور، دغاباز، گٹھ کٹا
سو سو طرح کے عیب لگاتی ہے مفلسی

(۳۳) مفلسی آخر میں چوری اور گدائی سکھاتی ہے۔

رکھتی نہیں کسی کی یہ غیرت کی آن کو
سو محنتوں میں اُس کی کھپاتی ہے جان کو
سب خاک میں ملاتی ہے حرمت کی شان کو
چوری پہ آکے ڈالے ہے مفلس کے دھیان کو
آخر ندان[۳] بھیکھ[۲] منگاتی ہے مفلسی

بھیک۔

(۳۴) خدا سب کو مفلسی سے بچائے۔

دنیا میں لے کے شاہ سے اے یارو تا فقیر
اشراف کو بناتی ہے اک آن میں حقیر
خالق نہ مفلسی میں کسی کو کرے اسیر
کیا کیا میں مفلسی کی خرابی کہوں؟ نظیر

[۱] آبی یعنے آب ہی۔ تخفیف (۲) تلفظ میں گرا دی گئی ہے (۳) نداں (پرانا متروک محاورہ) آخر کار۔

وہ جانے جس کے دل کو جلاتی ہے مفلسی

ولہ

نظم نمبر ۱۲۲

افلاس کا فوٹو

(۱) مفلس کی دولت

رکھ بوجھ سر پہ نکلا، اشتر[1] ملا تو ایسا | گھیر اخرابیوں نے، لشکر ملا تو ایسا

بڑھ گئے جو بال سر کے، افسر ملا تو ایسا | مفلس کا زرد چہرہ، جو زر ملا تو ایسا

آنسو جو غم سے ٹپکا گوہر ملا تو ایسا

(۲) مفلس کا جوہر

جب مفلسی کا آکر سر پر پڑے ہے سایا | پھرتا ہے مرد گیا گیا در در خراب رسوا

بتاتا ہے مفلسی میں مفلس کا آ یہ نقشا | پورا ہنر جو سیکھا تو بھیکھ مانگنے کا

یہ بد نصیبی دیکھو، جوہر ملا تو ایسا

(۳) مفلس کی نوکری عاشقی

مفلس نے گرچہ مرکر کی نوکری کسی کی | کیسی ہی محنتیں کیں، لیکن طلب نہ پائی

جیدھر کو ہاتھ ڈالا پائی نہ پھوٹی کوڑی | کی عاشقی، تو سر پر ہے اک سڑی سی ٹوپی

سو وہ بھی اس نے [حاشیہ: اس نے] سے لی، دل بر ملا تو ایسا

(۴) مفلس کی طلب عقبیٰ

آخر کو تنگ ہو کر جب مفلسی کے مارے | چیلا ہوا کسی کا، اور پہنے سیلی تاگے

واں سے بھی [حاشیہ: بھی] سوا لنگوٹی ہرگز نہ پائی اُس نے | دن کو دلائی جھاڑو، شب کو منگائے ٹکڑے

مفلس کو پیر و مرشد، رہبر ملا تو ایسا

(۵) مفلس کی بے سرو سامانی۔ مفلس کا باورچی خانہ اور آب دار خانہ

آٹا ملا تو ایندھن، چولھا تو اندارد | روٹی پکاوے کس پر؟ گھر میں توا ندارد

گر ٹھیکرے پہ تھوپے، تو پھر مزا ندارد | نو چھید، پیندی غائب، جس پر گلا ندارد

پانی کا گرمیوں میں جھجر ملا تو ایسا

[1] اشتر تے کے ضمّے کے ساتھ صحیح ہے مگر یہاں برعایتِ تلفظِ اردو فتحے کے ساتھ بندھ گیا ہے۔ اس مصرع میں اُس مشہور حکایت کی طرف اشارہ ہے جس کا مضحک خاتمہ اس جملے پر ہے کہ اے میری اُلٹی کے سننے والے۔ مانگا سینچے دیا او پر حکایت سے قطع نظر ایک مطلب سیدھا سادا بھی ہے یعنی مفلس اپنا اونٹ آپ ہی ہے۔

(۶) مُفلس کی غذا

قلیے، پلاو، زردے، دُودھ اور ملائی کھوئے
جب کُچھ ہُوا مُیسّر، دن رات روئے دھوئے
پُوری، کچوری، لڈّو سب مُفلسی نے کھوئے
یا خُشک ٹُکڑے چابے، پانی کے یا بھگوئے
سُوکھا ملا تو ایسا، اور تر ملا تو ایسا

(۷) مُفلس کا لباس

کمخاب، تاش، مشروع، تن زیب، خاصہ، ململ
پگڑی رہی نہ جامہ، پٹکا رہا نہ آنچل
سب مُفلسی کے ہاتھوں، گئے اپنے ہاتھ مل مل
لے ٹاٹ کی قبا پر جوڑا پُرانا کمبل
ابرا ملا تو ایسا، استر ملا تو ایسا

(۸) مُفلس کا گھر اور سامان خانہ داری

نہ جھاڑو جھاڑنے کی، پیوند کی نہ سوئی
اُپلا نہ آگ، پانی، چُولھا، توا نہ چکّی
دالان، نہ صحنچی، نہ طاق، نہ بُخاری[۱]
ٹوٹا سا اک اُسارا، دیوار جھانکڑوں[۲] کی
قسمت کی بات دیکھو جو گھر ملا تو ایسا

(۹) مُفلس کی خوابگاہ

چرپائی بیچ کھائی، اور بان کو جلا کر
سُونے کے وقت جھلنگا، گُدڑا رہا نہ چادر
روٹی پکائی رو رو، اور کھائی آہ بھر بھر
گُھٹنی پہ سر کو رکھ کر سوئے فقط زمین پر
تکیہ ملا تو ایسا، بستر ملا تو ایسا

(۱۰) مُفلس کو ہر موسم میں گھر میں تکلیف ہے۔

ہو صبح اور سُورج جب آکے مُنہ دکھاوے
آندھی پہ چلے تو گھر میں سب خاک دُھول جاوے
لے شام تک اُسی کے گھر بیچ دُھوپ جاوے
برسے جو مینہ تو باہر اک بُوند پھر نہ جاوے
پھوٹے نصیب دیکھو، چھپّر ملا تو ایسا

(۱۱) مُفلس سے نفرتِ عام

جس دل جلے کے اُوپر دن مُفلسی کے آئے
آخر کو مُفلسی نے یہ دُکھ اُسے دکھائے
پھر دُور بھاگے اُس سے سب اپنے اور پرائے
کھانا جہاں تھا بٹتا واں جا کے دھکّے کھائے

[۱] بُخاری۔ باورچی خانہ یا دالان کے اندر کی وہ کوٹھری جو غلہ وغیرہ کے واسطے دیوار میں بنا دیتے ہیں اصل میں بُخاری کے معنی آتش دان کے ہیں جو دالان یا کمرے کی دیوار میں ایّامِ سرما میں مکان گرم رکھنے کے واسطے بنا دیتے ہیں چنانچہ کسی کا شعر ہے ؎ خوش است بادۂ گلرنگ با کبابِ تنکاری ✤ بدستِ یارِ پری چہرہ در کنارِ بُخاری
چونکہ عوام لوگ اِس کی اصل سے واقف نہ تھے اس سبب سے وہ اُس کو لگی کو کہنے لگے جو دالان کے اندر دیوار میں کوٹھی کے بجائے غلّہ رکھنے کے واسطے بنا دیتے ہیں۔ پس رفتہ رفتہ بُخاری ایک عام لفظ ہو گیا اور سب اسی معنی میں استعمال کرنے لگے [۲] جھانکڑ جھاڑی کی نِہار دار درخت۔

کمکل

گُھٹنے

کمبخت کو جو کھانا اکثر ملا تو ایسا

(۱۲) مفلس کی تعظیم

تعظیم تھی ہر اک جا تھا پاس جب تلک زر
مفلس ہوا تو کوئی دیکھے نہ پھر نظر بھر
کپڑے پھٹوں سے بیٹھا جس بزم میں وہ جاکر
سب فرش سے اُٹھا کر بٹھلا یا جوتیوں پر
مفلس کو ہر مکان میں آدر[۱] ملا تو ایسا

(۱۳) مفلس کے بچوں کی حالت

گر مفلسی میں اُس نے دو تین لڑکے پائے
اور سب کنبے والے لڑکے واں کھیلنے کو آئے
دیکھ اُن کے گہنے پاتے آنکھوں میں آنسو لائے
سر کی کو جھیل سیتے نتھ اور کڑے بنائے
بدبخت کے بچوں کو زیور ملا تو ایسا

(۱۴) مفلس کے ساتھ اراکین خاندان کا سلوک۔

اسباب تھا تو کیا کیا رکھتے تھے لوگ رشتا
مفلس ہوے تو ہر گز رشتہ رہا نہ ناتا
نہ بھائی 'بھائی' کہتا، نہ بیٹا کہتا 'بابا'
اس پر نظیر، مجھ کو رونا بہت ہی آتا
اس مفلسی زدے کو ٹبر[۲] ملا تو ایسا

نظم نمبر ۱۲۳

آٹے دال کی فلاسفی

(۱)
کیا کہوں نقشہ میں یارو خلق کے احوال کا
اہل دولت کا چلن، یا مفلس و کنگال کا
یہ بیاں تو واقعی ہے ہر کسی کے حال کا
کیا تو نگر کیا غنی، کیا پیر اور کیا بالکا
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

(۲)
گر نہ آٹے دال کا اندیشہ ہوتا سدِّ راہ
پھر نہ پھرتے ملک گیری کو وزیر و بادشاہ
ساتھ آٹے دال کے ہے حشمت و فوج و سپاہ
جا بجا گڑھ کوٹ سے لڑتے ہوئے پھرتے ہیں آہ
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

(۳)
گر نہ آٹے دال کا ہوتا قدم یاں درمیاں
منشی و میر و وزیر و بخشی و نوّاب و خاں

۱؎ آدر عزت ۲؎ ٹبر تبار سے بگڑ کر بنا ہے خویش و تبار۔ خویشاوند۔ اقربا۔ خاندان قبیلہ۔ کنبا۔ کنبہ۔ کنبے کا خرچ۔ جان صاحب ۳؎ پنج تن پاک
کی ہو آس مجھے اے باجی جن کے صدقے میں مرا سارا ہی ٹبر جلتا ۔

جا نکتے دربار میں کیوں آدھی آدھی رات شاں! | کیا عجب نقشہ پڑا ہی، آہ! کیا کیجے بیاں؟

سب کے دل کو فکر ہی دن رات آٹے دال کا

(۴) گر نہ آٹے دال کا بیل ل کھٹکا ہوتا بار بار | دوڑتے کاہے کو پھرتے دھوپ میں پیادے سوار
اور جتنے ہیں جہاں میں پیشہ ور اور پیشہ دار | ایک بھی جی پر نہیں ہی اِس سوا صبر و قرار

سب کے دل کو فکر ہی دن رات آٹے دال کا

(۵) اپنے عالم میں یہ آٹا دال بھی کیا فرد ہی! | حُسن کی آن و ادا سب اس کے آگے گرد ہی
عاشقوں کا بھی اسی کے عشق سے مُنھ زرد ہی | تا کُجا کہیے کہ کیا وہ مرد، کیا نامرد ہی

سب کے دل کو فکر ہی دن رات آٹے دال کا

(۶) دل بروں کی چشم، ابرو، زلف کیا خط خال ہی | نازکی، شوخی، ادائیں، حُسن لالوں لال ہی
کیا کمر پتلی ہی، کافر کیا ٹھُمکتی چال ہی | غور کر دیکھا ہی، جو کُچھ ہی سو آٹا دال ہی

سب کے دل کو فکر ہی دن رات آٹے دال کا

(۷) اب جنھیں اللہ نے یاں کر دیا کامل فقیر | وہ تو بے پروا، سخی داتا ہیں، آچھی دل پذیر
اور جتنے ہیں وہ سب ہیں دال آٹے کے اسیر | ان غریبوں کی یہی اب شکل ہی گی، ای نظیر

سب کے دل کو فکر ہی دن رات آٹے دال کا

نظم نمبر ۱۲۴

آٹے دال کی فلاسفی[1]

(۸) آٹے کے واسطے ہی ہوس مُلک و مال کی | آٹا جو پا لگی ہی، تو ہی دال نالکی
آٹے ہی دال سے ہی دُرستی یہ حال کی | اس سے ہی سب کی خُوبی ہی جو حال و قال کی

سب چھوڑ بات طوطی و پدڑی و لال کی
یارو کُچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

[1] اس نظم میں اُن نوجوانوں کو نصیحت ہی جو بے فکرے پن سے شب و روز شوق کے جانوروں میں مشغول رہتے ہیں اور تلاشِ معاش کا خیال بھی نہیں کرتے۔

(۲)
اس آٹے دال ہی کا جو عالم مین ہی ظہور
اس سے ہی آ کے چڑھتا ہی چہرے پہ سب کے نور
اس سے ہی منھ پہ نور ہی، اور پیٹ کو سرور
شاہ و گدا امیر اسی کے ہیں سب مزور
ہیں

سب چھوڑو بات طوطی و پدڑی و لال کی
یارو، کچھ اپنی فکر کرو آٹے ڈال کی

(۳)
قمری نے کیا ہوا؟ جو کہا حق سرہٗ
وہ کھیل کھیلو، جس سے ہو تم جگ میں سرخرو
اور فاختہ بھی، بیٹھ کے کہتی ہی قہقہو
سنتے ہو، ای عزیزو؟ اسی سے ہی آبرو

سب چھوڑو بات طوطی و پدڑی و لال کی
یارو، کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

(۴)
مینا کے پالنے کی اگر دل میں میل ہی
سب عشق بازی روزی کے ہوتی طفیل ہی
سچ پوچھیے، تو یہ بھی خرابی کے ذیل ہی
روزی نہ ہو، تو مینا بھی پھر کیا چڑیل ہی

سب چھوڑو بات طوطی و پدڑی ولال کی
یارو، کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

(۵)
آٹا ہی جس کا نام وہی خاص نور ہی
اس کا بھی کھیل کھیلنا سب کو ضرور ہی
اور دال بھی پری ہی کوئی، یا کہ حور ہی
سمجھے جو اس سخن کو وہ صاحب شعور ہی
بھی

سب چھوڑو بات طوطی و پدڑی و لال کی
یارو، کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

(۶)
بلبل کے پالنے مین، کہو، کیا ہی فائدا؟
کوئی دم مین پیٹ مانگے گا، کچھ مجھ کو لا کھلا
اور جو بیا بھی پالا، تو پھر ہاتھ کیا لگا؟
پھر دال اور آٹا ہی کام آتا ہی، دلا

سب چھوڑو بات طوطی و پدڑی ولال کی
یارو، کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

(۷)
چھ پیسوں کے جو عشق میں دل کو لگاؤ گے
تو پیٹ بھر کے کھاؤ گے کپڑے بناؤ گے

طوطے کو پال کر کے حق اللہ پڑھاوگے ناحق کو سر کھپاوگے، کوڑی نہ پاوگے
سب چھوڑو بات طوطی و پدڑی و لال کی
یارو، کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

(۸)
جن پڑ رہیں چار پیسے، وہی ہیں یہاں امیر اور جتنے پیشہ ور ہیں وہ کیا خرد کیا کبیر
اور جن کے پاس کچھ نہیں، وہ ہیں نرے فقیر روٹی کا سلسلہ ہی بڑا، کیا کہوں نظیر؟
سب چھوڑو بات طوطی و پدڑی و لال کی
یارو، کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

ن۱ پاس
ن۲ یہاں خرد او کبیر

نظم نمبر ۱۲۵
روٹی کی فلاسفی

(۱)
جب آدمی کے پیٹ میں آتی ہیں روٹیاں پھولی نہیں بدن میں سماتی ہیں روٹیاں
آنکھیں پری رخوں سے لڑاتی ہیں روٹیاں سینے اُپر بھی ہاتھ چلاتی ہیں روٹیاں
جتنے مزے ہیں سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

(۲)
روٹی سے جس کا ناک تلک پیٹ ہی بھرا کرتا پھرے ہی کیا وہ اُچھل کود جابجا
دیوار پھاند کر کوئی کوٹھا اُچھل گیا ٹھٹھا، ہنسی، شراب، صنم، ساقی، اس سوا
سو سو طرح کی دھوم مچاتی ہیں روٹیاں

(۳)
جس جا پہ ہانڈی، چولھا، توا اور تنور ہے خالق کی قدرتوں کا اسی جا ظہور ہے
چولھے کے آگے آنچ جو جلتی حضور ہے جتنے ہیں نور سب میں یہی خاص نور ہے
اس نور کے سبب نظر آتی ہیں روٹیاں

(۴)
آوے توے، تنور کا جس جا زباں پہ نام یا چکی، چولھے کا جہاں گلزار ہو تمام
وہاں سر جھکا کے کیجیے ڈنڈوت اور سلام اس واسطے، کہ خاص یہ روٹی کے ہیں مقام
پہلے انھیں مکانوں میں آتی ہیں روٹیاں

(۵)
ان روٹیوں کے نور سے سب دل ہیں پُور پُور
پیڑا ہر ایک اس کا ہے برفی و موتی چُور
آٹا نہیں ہے چھلنی سے چھن چھن گرے ہے نُور
ہر گز کسی طرح نہ بُجھے پیٹ کا تنور
اس آگ کو مگر یہ بُجھاتی ہیں روٹیاں

مُرتب: نور پور

(۶) دلچسپ مکالمہ
پُوچھا کسی نے یہ کسی کامل فقیر سے:
"یہ مہر و ماہ حق نے بنائے ہیں کاہے کے؟"
وہ سن کے بولا: "بابا، خدا تجھ کو خیر دے
ہم تو نہ چاند سمجھیں نہ سورج ہیں جانتے
بابا ہمیں تو یہ نظر آتی ہیں روٹیاں"

(۷)
پھر پُوچھا اُس نے: "کہیے، یہ ہے دل کا نور کیا؟
اُس کے مشاہدے میں ہے کھلتا ظہور کیا؟"
وہ بولا سُن کے: "تیرا گیا ہے شعور کیا؟
کشف القلوب اور یہ کشف القبور کیا
جتنے ہیں کشف، سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

(۸)
روٹی جب آئی پیٹ میں، سو قند گھل گئے
گلزار پھولے آنکھوں میں، اور عیش تُل گئے
دو تر نوالے پیٹ میں جب آکے ڈھل گئے
چودہ طبق کے جتنے تھے سب بھید کھل گئے
یہ کشف، یہ کمال دکھاتی ہیں روٹیاں

(۹)
روٹی نہ پیٹ میں ہو، تو پھر کچھ جتن نہ ہو
میلے کی سیر، خواہش باغ و چمن نہ ہو
بھوکے، غریب دل کی خدا سے لگن نہ ہو
سچ ہے کہا کسی نے کہ بھوکے بھجن نہ ہو،
اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں

(۱۰)
اب جن کے آگے مال پُوے بھر کے تھال ہیں
پُوری بھگت انھیں کی، وہ صاحب کے لال ہیں
اور جن کے آگے روغنی اور شیرمال ہیں
عارف وہی ہیں، اور وہی صاحب کمال ہیں
پکّی پکائی اب جنھیں آتی ہیں روٹیاں

(۱۱)
کپڑے کسی کے لال ہیں، روٹی کے واسطے
لمبے کسی کے بال ہیں، روٹی کے واسطے
باندھے کوئی رومال ہیں، روٹی کے واسطے
سب کشف اور کمال ہیں، روٹی کے واسطے
جتنے ہیں رُوپ سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

(۱۲)
روٹی سے ناچے پیادہ قواعد دکھا دکھا
گھنگرو کو باندھے پیک بھی پھرتا ہے جا بجا
اسوار ناچے گھوڑے کو کاوا لگا لگا
اور اس سوا، جو غور سے دیکھا تو جا بجا
سو سو طرح کے ناچ دکھاتی ہیں روٹیاں

(۱۳)
روٹی کے ناچ تو ہیں سبھی خلق میں پڑے
یہ + + + جو ناچیں ہیں گھونگھٹ کو منھ پہ لے
کچھ بھانڈ بھگتیے یہ نہیں پھرستے ناچتے
گھونگھٹ نہ جانو، دوستو تم زینہار اسے
اس پردے میں یہ اپنی کماتی ہیں روٹیاں

پرستے

(۱۴)
اور وہ جو ناچنے میں بتاتی ہیں بھاؤ تاؤ
روٹی کے سب سنگار ہیں، روٹی کے راؤ چاؤ[1]
چتون، اشارتوں سے کہیں ہیں کہ روٹی لاؤ
+ + کی تاب کیا؟ جو کرے اس قدر بناؤ
یہ آن یہ، جھمک تو دکھاتی ہیں روٹیاں

(۱۵)
اصلی اشراف
اشرافوں نے جو اپنی یہ ذاتیں چھپائی ہیں
کہیے، انھوں کی روٹیاں کس کس نے کھائی ہیں؟
سچ پوچھیے، تو اپنی یہ شانیں بڑھاتی ہیں
اشراف سب میں کہیے، تو اب نان بائی ہیں
جن کی دکاں سے ہر کہیں جاتی ہیں روٹیاں

(۱۶)
بھٹیاریاں کہاویں نہ اب کیونکہ رانیاں؟
ذاتوں میں جتنے اور ہیں، قصّے کہانیاں
مہتر خصم ہیں اُن کے، وہ ہیں مہترانیاں
سب میں انھیں کی ذات کی اونچی ہیں بانیاں
کس واسطے، کہ سب یہ پکاتی ہیں روٹیاں

(۱۷)
دنیا میں اب بدی نہ کہیں اور نکوئی ہے
کوئی کسی کا، اور کسی کا نہ کوئی ہے
نا دشمنی و دوستی ناتند خوئی ہے
سب کوئی ہے اُسی کا کہ جس ہاتھ ڈوئی ہے
نوکر، نفر، غلام بناتی ہیں روٹیاں

(۱۸)
روٹی کا اب ازل سے ہمارا تو ہے خمیر
یا پتلی ہووے موٹی، خمیری ہو یا فطیر[2]
روکھی بھی روٹی حق میں ہمارے ہے شہد و شیر
گیہوں کی، جوار باجرے کی، جیسی ہو نظیر

[1] راؤ چاؤ - ہنسی خوشی - چہل پہل - پیار محبت - [2] اس لفظ کو بعض نسخوں میں پتیر لکھا ہے اور بعض میں نبیر - صرف مطبع نظامی کے نسخے میں فطیر ہے اور یہی صحیح ہے - فطیر - اَن خمیری روٹی - خمیر کی ضد -

ہم کو تو سب طرح کی خوش آتی ہیں روٹیاں

نظم نمبر ۱۲۶

چپاتی کی فلاسفی

(۱)
جب ملی روٹی ہمیں سب نورِ حق روشن ہوئے — رات دن، شمس و قمر، شام و شفق روشن ہوئے
زندگی کے تھے جو کچھ نظم و نسق روشن ہوئے — اپنے بیگانوں کے لازم تھے جو حق روشن ہوئے

دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

(۲)
وہ جو اب کھاتے ہیں باقرخانی کلچہ شیرمال — ہیں وہ خاص الخاص درگاہِ کریم ذوالجلال
یہ جو روٹی دال کا رکھتے ہیں ہم گردوں میں جال — جب ملی روٹی وہیں ہم ہو گئے صاحب کمال

دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

(۳)
وہ تو اب مردِ خدا ہیں قوت جن کا نور رہی — وہ ملائک ہیں وہاں روٹی کا کیا مذکور رہی
دل ہمارا تو فقط روٹی کا اب رنجور رہی — ہم شکم بندوں کا تو یارو یہی دستور رہی

دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

(۴)
پیٹ میں روٹی پڑی جب تک تو یارو خیر ہی — گر نہ ہو پھر غیر کیا؟ اپنے ہی جی سے بیر ہی
کھاتے ہی دو تر نوالے آسماں پر پیر ہی — آسماں کیا پھر تو خاصے لامکاں کی سیر ہی

دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

(۵)
جب تلک روٹی کا ٹکڑا ہو نہ دسترخوان پر — نے نمازوں میں لگے دل اور نہ کچھ قرآن پر
رات دن روٹی چڑھی رہتی ہے سب کے دھیان پر — کیا خدا کا نور برسے ہی پڑا ہے نان پر

دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے
اِک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

(۶) گر نہ ہوں دو روٹیاں اور اک پیالہ دال کا
کھیل پھر بگڑا پھرے یاں حال کا اور قال کا
گر نہ ہو روٹی تو کس کا پیر؟ کس کا بالکا؟
وصف کس مُنھ سے کروں میں نان کے احوال کا

بکھرا

دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے
اِک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

(۷) پیٹ میں روٹی نہ تھی جب تک دو عالم تھا سیاہ
جب پڑی روٹی تو پہنچی عرش کے اُوپر نگاہ
کھل گئے پردے تھے جتنے ماہی سے تا بہ ماہ
کیا کرامت ہے فقط روٹی میں یارو، واہ واہ!

دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے
اِک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

(۸) یوں چمکتا ہے پڑا اس پر آن گردہ نان کا
جان آتی ہے لیے سے نام دسترخوان کا
چاند کا ٹکڑا کہوں میں، یا کہ ٹکڑا جان کا
روح ناچے ہے بدن میں نام سُن کر خوان کا

دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے
اِک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

(۹) حُسن جتنے ہیں جہاں میں سب بھرے ہیں نان میں
خوبیاں جتنی ہیں آکر سب بھری ہیں خوان میں
عاشق و معشوق بھی ٹکیا کے ہیں درمیان میں
پھنس رہے ہیں سب کے دل روٹی کے دسترخوان میں

دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے
اِک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

(۱۰) جو مُرید اپنا کسی درویش کو کرتا ہے پیر
یعنے کچھ دیکھے تجلی کی کرامت دل پذیر
کھاتے ہی دو روٹیاں دل ہو گیا بدرِ منیر
کوئی روٹی سا نہیں اب پیر و مُرشد اے نظیر

دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے

اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

نظم نمبر ۱۲۷

پیٹ کی فلاسفی

(۱) پیٹ کے دھندے میں سب لگے ہیں

کرتا ہے کوئی جور و جفا پیٹ کے لیے　　سہتا ہے کوئی رنج و بلا پیٹ کے لیے
سیکھا ہے کوئی مکر و دغا پیٹ کے لیے　　پھرتا ہے کوئی بے سر و پا پیٹ کے لیے
جو ہے سو ہو رہا ہے فدا پیٹ کے لیے

(۲) سلاطین و امراء و اہلِ قلم

عاجز ہیں اس کے واسطے کیا شاہ کیا وزیر　　محتاج ہیں اسی کے لیے بخشی و امیر
منشی، وکیل، ایلچی، متصدی و مشیر　　چاکر، نفر، غلام، تونگر، غنی، فقیر
سب کر رہے ہیں فکر سدا پیٹ کے لیے

(۳) اہلِ تجارت

صراف، خوردیے سے لگا سیٹھ ساہوکار　　دلال، جوہری اور کناری کے پیشہ دار
پنساری، ویز، ازاناجوں کے کاروبار　　بیوپار، لین دین، بنج، قرض اور اُدھار
ہے سب نے کھٹکھٹا یہ کیا پیٹ کے لیے

(۴) پیشہ ور

اب خلق میں ہیں چھوٹے بڑے جتنے پیشہ ور　　سیکھے اسی کے واسطے سب کسب اور ہنر
صحاف، جلد ساز، ملمچی[1]، کمان گر　　زیں دوز، گل فروش، البساطی، سفال گر
بیٹھے ہیں سب دکان لگا پیٹ کے لیے

(۵) واعظ۔ عابد۔ زاہد

بیٹھے ہیں مسجدوں میں مصلے بچھا بچھا　　جبے پہن کے ہاتھ میں تسبیح کو پھرا
واعظ کے ہر سخن میں ہے کھانے کا مدعا　　عابد بھی دعوتوں کی عبادت ہے کر رہا
زاہد بھی مانگتا ہے دعا پیٹ کے لیے

(۶) مینا ساز۔ مرصع کار۔ حکاک۔ مصور۔ سنار۔ لہار

کیا مینے ساز کام کے، اور کیا مرصع کار　　حکاک کیا مصور و نقاش، زرنگار
دیکھا تو نہ سنار کوئی، اور نہ اب لہار　　سب اپنے اپنے پیٹ کے کرتے ہیں کاروبار

[1] ملمچی ملمع والا۔ جو ملمع کا کام کرتا ہے۔ دکن میں یہ لفظ آج تک رائج ہے چنانچہ اورنگ آباد میں ایک ملمچی بازار بھی ہے۔

پیشہ ہر اک نے سیکھ لیا پیٹ کے لیے

(۷) گندھی

گندھی کے منغز میں بھی یہی رچ رہی ہی بو
شیشی کسی کو سینک کی پھوئے کسی کو دو
کھینچے ہی جب گلاب نکالے ہی عطر دو
ہر دم چھڑک گلاب، لگا تن سے عطر کو

پٹّیں ہر ایک ہی کو سنگھا پیٹ کے لیے

(۸) رنگریز۔ نوربان نیار یا۔

رنگریز بیٹھے رنگتے ہیں رنگت ہزار یا
محمل ہے کوئی، کوئی ہی مشروع کٹاریا
سُرخ و گلابی زرد، سیہ، سبز دھاریا
جنگل میں جا کے دیکھا، تو اُس جا بھی نیاریا

نت خاک چھانتا ہی پڑا پیٹ کے لیے

(۹) کلال۔ ذبّاح۔ صیّاد۔ ٹھگ۔

بدنام ہی اسی کے لیے خلق میں کلال
صیاد بھی اسی کے لیے لیجلا ہی جال
ذبّاح بھی کرے ہی اسی کے لیے حلال
ٹھگ بھی اسی کے واسطے پھانسی گلے میں ڈال

ہر وقت گھونٹتا ہی گلا پیٹ کے لیے

(۱۰) اُچکّے، چور۔ دغاباز۔ راہ مار۔ جیب کترے۔

نٹ کھٹ اُچکّے، چور دغاباز، راہ مار
سب اپنے اپنے پیٹ کے کرتے ہیں کاروبار
عیّار، جیب کترے، نظر باز، ہوشیار
کوئی خدا کے واسطے کرتا نہیں شکار

بلّی بھی مارتی ہی چوہا پیٹ کے لیے

(۱۱) بانکے سپاہی

بانکا سپاہی خوب شجاعت میں بے جگر
لڑتا ہی توپ، تیر، تفنگوں میں آن کر
وہ بھی اسی کے واسطے لے تیغ اور تبر
کھاتا ہی زخم، خون میں ہوتا ہی تر بتر

آخر کو سر بھی دے ہی کٹا پیٹ کے لیے

(۱۲) فاضل۔ عابد۔ مُلّا۔ شاعر۔

فاضل کے فضل میں بھی اسی کی ہی التجا
مُلّا بھی دن گذارے ہی لڑکے پڑھا پڑھا
عابد نجومی کا بھی اسی پر ہی مدعا
شاعر بھی دیکھیے تو قصیدے بنا بنا

کیا کیا کرے ہی وصف و ثنا پیٹ کے لیے

(۱۳) قاضی۔ مفتی۔ بید۔ حکیم۔ عطّار۔

قاضی کے حال کی بھی یہی بات ہی گواہ
بید اور حکیم کی بھی اسی پر ہی اب نگاہ
مفتی کے قصد کی بھی یہ شاہد ہی خوامخواہ
عطّار کے بھی درد کو دیکھا، تو وہ بھی آہ!

دن رات کُوٹتا ہو دوا پیٹ کے لیے

(۱۴)
پڑھتے ہیں اب قرآن جو مُردوں کا لے کے نام ۔۔ پھولوں میں بیٹھ کرتے ہیں پنج آیتیں تمام
دوزخ میں، یا بہشت میں مُردے کا ہو مقام ۔۔ کچھ ہو پر اُن کو حلوے و مانڈے سے اپنے کام
خوش ہو گئے جب ان کو ملا پیٹ کے لیے

(۱۵) فقیر
اُلفت کسی کے دل میں، کسی میں بڑا ہی بیر ۔۔ مانے کوئی حرم کو کوئی پُوجتا ہے دیر
کھانے کی ساری دوستی کھانے کی ساری سیر ۔۔ کہتا ہے اب فقیر بھی دے کر دعائے خیر
"بابا کچھ آج مجکو دلا پیٹ کے لیے"

(۱۶) لڑکے
عاشق کے تئیں جو دیکھیں ہیں سو نعمتوں کی جیٹ[لہ] ۔۔ لڑکے بھی اپنی کھول کے چھاتی، دکھا کے پیٹ
گودی میں بیٹھ جاتے ہیں، ہر دم بغل میں لیٹ ۔۔ کھانے کی دیکھ چاٹ، لگاوٹ کی کر لپیٹ
کیا کیا کریں ہیں ناز و ادا پیٹ کے لیے

(۱۷) معشوق
ہیں جن کے پاس منصب و جاگیر و مال و جاہ ۔۔ خوباں بھی اُن کے ساتھ کریں ہیں سدا نباہ
کھانے کی ساری دوستی، کھانے کی ساری چاہ ۔۔ دیکھا جو خُوب غور سے ہم نے "تو واہ واہ!"
معشوق بھی کریں ہیں وفا پیٹ کے لیے

(۱۹) رقاصہ
+ + + جو ناچتی ہے پری زاد پھلجھڑی ۔۔ سر، پانوں سے تمام جواہر میں ہے جڑی
چتون لگاوٹوں کی جتا کر گھڑی گھڑی ۔۔ لے شام سے سحر تئیں ہے ناچتی کھڑی
سو سو طرح کے بھاو بتا پیٹ کے لیے

(۱۹) قحبہ
+ + + کے گھر میں دیکھا تو واں بھی یہی پکار ۔۔ + + + کے دوڑ ہوتی ہے ہر دم گلے کا ہار
کُرتی کبھی دکھا کبھی انگیا اُڑاتے وار ۔۔ جاتی ہے جھٹ پلنگ اُبر لیٹ ایک بار
سب کھو کے اپنی شرم و حیا پیٹ کے لیے

(۲۰) خدا پرست
لاکھوں میں کوئی لے ہے محبت سے حق کا نام ۔۔ ورنہ سب اپنے پیٹ کے ہیں کلمے اور کلام

لہ جیٹ بیائے مجہول و جیم عربی ڈھیر۔ انبار، روٹیوں کی تھئی۔

(۸)	بیمار گرچہ لاکھ طرح سے ہو بادشاہ	تو اُس کو جانیے کہ گدا سے بھی ہے تباہ
	ہم تو اُسی کو شاہ کہیں اور جہاں پناہ	اب جس کا تن دُرست ہو، حرمت سے ہو نباہ
	جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن دُرست:	
	اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست،	
(۹)	ہوں گرچہ لاکھ دولتیں بیمار کے گنے	اور نعمتوں کے ڈھیر لگے ہوں بنے ٹھنے
	بہتر ہیں مفلسی کے بیاں چابنے چنے	جو تندرست ہیں وہی دولہ ہیں اور بنے
	جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن دُرست:	
	اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست،	
(۱۰)	جب تندرستیوں کی رہیں دل میں بستیاں	پھر سو طرح کے عیش ہیں اور مزے پرستیاں
	کھانے کو نعمتیں ہوں، ویا فاقہ مستیاں	سب عیش اور مزے ہیں جو ہوں تندرستیاں
	جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن دُرست	
	اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست،	
(۱۱)	چاہا جو دل نے شے کو تو وہیں منگا لیا	محبوب دلبروں کو گلے سے لگا لیا
	آیا جو عیش دل میں خوشی سے اُڑا لیا	جو مل گیا سو پی لیا، چاہا سو کھا لیا
	جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن دُرست:	
	اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست،	
(۱۲)	آیا جو دل میں سیرِ چمن کو چلے گئے	بازار، چوک، سیر تماشے میں خوش ہوئے
	بیٹھے، اُٹھے، خوشی سے ہر اک جا چلے پھرے	جاگے مزے میں رات کو یا خوش ہو سو رہے
	جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن دُرست:	
	اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست،	
(۱۳)	قدرت سے یہ جو تن کی بنی ہے ہر ایک کل	جب تک یہ کل بنی ہے تو ہے آدمی کو کل

گر ہو خدا نخواستہ اک کل بھی چل بچل ۔۔۔ پھر نہ خوشی، نہ عیش، نہ کچھ زندگی کا پھل

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست:
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست،

(۱) ادنیٰ ہو یا غریب، تونگر ہو یا فقیر ۔۔۔ یا بادشاہ شہر کا، یا ملک کا وزیر
ہے سب کو تندرستی و حرمت ہی دل پذیر ۔۔۔ جو تو نے اب کہا سو یہی سچ ہے، اے نظیر

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست:
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست،

نظم نمبر ۱۲۹

تن درستی اور آبرو

(۱) دکھ کی دولت[۱] ہو تو اُس کو بھی تباہی بوجھیے ۔۔۔ سُکھ سے رہنا خلق میں خوش دستگاہی بوجھیے
روشنی کو غم کی ہر جاگہ سیاہی بوجھیے ۔۔۔ صحت و حرمت کو نت[۲] حشمت پناہی بوجھیے

تندرستی کو نپٹ[۳] فضل الٰہی بوجھیے
آبرو سے جگ میں رہنا بادشاہی بوجھیے

۲ صحت و حرمت سے گر اللہ یاں کر دے نباہ ۔۔۔ اِس برابر کون سا ہے پھر جہاں میں عز و جاہ؟
اب جو ہم اس بات کے رُتبے کو کرتے ہیں نگاہ ۔۔۔ کیا کسی عاقل نے یہ نکتہ کہا ہے واہ واہ!

تندرستی کو نپٹ فضل الٰہی بوجھیے
آبرو سے جگ میں رہنا بادشاہی بوجھیے

(۳) اِس کے سب محتاج ہیں اب شاہ سے لے تا گدا ۔۔۔ جس سے تن سالم رہے اور پیٹ حرمت سے بھرا
آبرو اور تندرستی جس کو حق نے کی عطا ۔۔۔ پھر جہاں میں اُس سا یارو، کون سا ہے بادشاہ؟

تندرستی کو نپٹ فضل الٰہی بوجھیے

۱؎ یعنی دولت جو علالت کے ساتھ ہو ۲؎ نت ہمیشہ ۳؎ نپٹ محض سراسر

آبرو سے جگ میں رہنا بادشاہی تُو جھیے

(۴) دولتیں جتنی ہیں سب اِن دولتوں سے ہیں تلے — آبرو اللہ رکھے اور عمر حُرمت سے کٹے
عزت و حُرمت بڑی دولت ہی اللہ سب کو دے — ہر گھڑی ہر آن، ہر دم خلق میں پیارے مرے

تندرستی کو نپٹ فضلِ الٰہی تُو نے جیے
آبرو سے جگ میں رہنا بادشاہی تُو جھیے

(۵) آبرو دنیا میں یارو موتی کی سی آب ہی — تندرستی اور بھی پھر عیش کا اسباب ہی
جِس کے کنے ہیں یہ اُسی کا سب ادب آداب ہی — یہ نہیں اور زندگی، تو پھر خیال و خواب ہی

تندرستی کو نپٹ فضلِ الٰہی تُو جھیے
آبرو سے جگ میں رہنا بادشاہی تُو جھیے

(۶) ہیں جہاں تک خلق میں پیر و جواں خُرد و کبیر — عالم و فاضل، گدا و بادشہ، میر و وزیر
کیا تونگر کیا غنی، کیا بے نوا، اور کیا فقیر — سب جہاں میں ہیں اسی نکتے کے قائل، ای نظیر

تندرستی کو نپٹ فضلِ الٰہی تُو جھیے
آبرو سے جگ میں رہنا بادشاہی تُو جھیے

نظم نمبر ۱۳

خوشآمد کی فلاسفی[1]

(۱) دل خوشامد سے ہر اک شخص کا کیا راضی ہی — آدمی، جنّ و پری، بھوت بلا راضی ہی
بھائی فرزند بھی خوش، باپ چچا راضی ہی — شاہ مسرور، غنی شاد، گدا راضی ہی

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہی
سچ تو یہ ہی کہ خوشامد سے خدا راضی ہی — لٰہ لٰہ

(۲) اپنا مطلب ہو تو مطلب کی خوشامد کیجے — اور نہ ہو کام تو اس ڈھب کی خوشامد کیجے

[1] اس نظم کے عموماً دس ہی بند مشہور ہیں۔ خوشامد کیجے والے بند بخیال تکرار اور ایک آدھ بند اور ساقط کر دیے گئے ہیں۔

انبیا، اولیا اور رب کی خوشامد کیجے　　اپنے مقدور غرض سب کی خوشامد کیجے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

(۳)
چار دن جس کو خوشامد سے کیا جھک کے سلام　　وہ بھی خوش ہو گیا، اپنا بھی ہوا کام میں کام
بڑے عاقل، بڑے دانا نے نکالا ہے یہ دام　　خوب دیکھا تو خوشامد ہی کی آمد ہے تمام

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

(۴)
مفلس، ادنیٰ و غنی کی بھی خوشامد کیجے　　بدبخیل اور سخی کی بھی خوشامد کیجے
اور جو شیطان ہو تو اُس کی بھی خوشامد کیجے　　گر ولی ہو تو ولی کی بھی خوشامد کیجے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

(۵)
پیار سے جوڑ دیئے ہاتھ طرف جس کے آہ!　　وہیں خوش ہو گیا کرتے ہیں وہ ہاتھوں پہ نگاہ
غور سے ہم نے جو اس بات کو دیکھا واللہ　　کچھ خوشامد ہی بڑی چیز ہے، اللہ اللہ

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

(۶)
پینے اور پہننے، کھانے کی خوشامد کیجے　　ہیجڑے، بھانڈ، زنانے کی خوشامد کیجے
مست و ہشیار دِوانے کی خوشامد کیجے　　بھولے، نادان، سیانے کی خوشامد کیجے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

(۷)
عیش کرتے ہیں وہی جن کا خوشامد کا مزاج　　جو نہیں کرتے وہ رہتے ہیں ہمیشہ محتاج
ہاتھ آتا ہے خوشامد سے مکاں، ملک اور راج　　کیا ہی تاثیر کی اس نسخہ نے پائی ہے رواج

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہی
سچ تو یہ ہی کہ خوشامد سے خدا راضی ہی،

(۸)
گر بھلا ہو تو بھلے کی بھی خوشامد کیجے
اور بُرا ہو تو بُرے کی بھی خوشامد کیجے
پاک ناپاک، سڑے کی بھی خوشامد کیجے
کُتّے، بلّی و گدھے کی بھی خوشامد کیجے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہی
سچ تو یہ ہی کہ خوشامد سے خدا راضی ہی،

(۹)
خوب دیکھا تو خوشامد کی بڑی کھیتی ہی
غیر کیا، اپنے ہی گھر بیچ یہ سکھ دیتی ہی
ماں خوشامد کے سبب چھاتی لگا سیتی ہی
نانی دادی بھی خوشامد سے بلا لیتی ہی

لیتی دعا دیتی

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہی
سچ تو یہ ہی کہ خوشامد سے خدا راضی ہی

(۱۰)
بی بی کہتی ہی "میاں، آ ترے صدقے جاؤں"
ساس بولے "کہیں مت جا ترے صدقے جاؤں"
خالا کہتی ہی کہ "کچھ کھا ترے صدقے جاؤں"
سالی کہتی ہی کہ "بھیا ترے صدقے جاؤں"

نون

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہی
سچ تو یہ ہی کہ خوشامد سے خدا راضی ہی

(۱۱)
آ پڑا ہی جو خوشامد سے سروکار اُسے
ڈھونڈتے پھرتے ہیں اُلفت کے خریدار اُسے
آشنا ملتے ہیں، اور چاہتے ہیں سب یار اُسے
اپنے بیگانے غرض کرتے ہیں سب پیار اُسے

ہیں

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہی
سچ تو یہ ہی کہ خوشامد سے خدا راضی ہی،

(۱۲)
رُوکھی اور روغنی، آبی کی خوشامد کیجے
نان بائی و کبابی کی خوشامد کیجے
ساقی و جامِ شرابی کی خوشامد کیجے
پارسا زند خرابی کی خوشامد کیجے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہی

سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے،

(۱۳)
جو کہ کرتے ہیں خوشامد وہ بڑے ہیں انساں
جو نہیں کرتے وہ رہتے ہیں ہمیشہ حیراں
ہاتھ آتے ہیں خوشامد سے ہزاروں ساماں
جس نے یہ بات نکالی ہے میں اُس کے قرباں
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے،

(۱۴)
کوڑی پیسے، ٹکے، زر کی خوشامد کیجے
لعل و نیلم، دُر و گوہر کی خوشامد کیجے
اور جو پتھر ہو تو پتھر کی خوشامد کیجے
نیک و بد جتنے ہیں یکسر کی خوشامد کیجے
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے،

(۱۵)
ہم نے ہر دل میں خوشامد کی محبت دیکھی
پیار، اخلاص و کرم، مہر و محبت دیکھی
دل بروں میں بھی خوشامد ہی کی اُلفت دیکھی
عاشقوں میں بھی خوشامد ہی کی چاہت دیکھی
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے،

(۱۶)
پارسا پیر ہے، زاہد ہے، مُناجاتی ہے
جواریا چور، دغا باز، خراباتی ہے،
ماہ سے ماہی تلک چیونٹی ہے یا ہاتی ہے
یہ خوشامد تو، میاں، سب کے تئیں بھاتی ہے۔
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے،

(۱۷)
گر نہ میٹھی ہو تو کڑوی بھی خوشامد کیجے
کچھ نہ ہو پاس تو خالی بھی خوشامد کیجے
جانی دشمن ہو تو اُس کی بھی خوشامد کیجے
سچ اگر پوچھو تو جھوٹی بھی خوشامد کیجے
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے،

(۱۸)
مرد و زن، طفل و جواں، خرد و کلاں، پیر و فقیر
سب کے دل ہوتے ہیں پھندے میں خوشامد کے اسیر
جتنے عالم میں ہیں محتاج و گدا، شاہ و وزیر
تو بھی، واللہ، بڑی بات یہ کہتا ہے، نظیر:
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ، خوشامد سے خدا راضی ہے

(خورد)

نظم نمبر ۱۳۱
مکر و دغا کی فلاسفی

(۱)
کیا کیا فریب کہیے دُنیا کی فطرتوں کا؟
جب دوست مل کے لوٹیں اسباب مشفقوں کا
مکر و دغا و دزدی ہے کام اکثروں کا
پھر کس زباں سے شکوہ اب کیجے دشمنوں کا
ہُشیار، یارِ جانی، یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

(۲)
گردن کو ہے اچکّا، تو چور رات میں ہے
اس کی بغل میں گتّی، تیغ اُس کے ہات میں ہے
نٹ کھٹ کی کچھ نہ پوچھو، ہر بات بات میں ہے
وہ اس کی فکر میں ہے، یہ اس کی گھات میں ہے
ہُشیار، یارِ جانی، یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

(گتّی: گپتی)

(۳)
دیکھے کوئی ہے جن کا، ہے گٹھ کٹی وتیرا
لٹھ مارنا کتا ہے ہر آن سر کا چیرا
جامے پہ کھا رہا ہے اُچّے کا دل حریرا
جُوتی کو تک رہا ہے ہر دم اُٹھائی گیرا
ہُشیار، یارِ جانی، یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

(۴)
عیّار اور چھچھورا نٹ اپنے کار میں ہے
قزاق جس مکاں پر فکرِ سوار میں ہے
اور صبح خیز یا بھی اپنی بہار میں ہے
پیادہ غریب اُس جا پھر کس شمار میں ہے؟

ـــــ
ل اس بند میں قافیۂ شائگاں کا عیب ہے لیکن متقدمین شعرائے اُردو اس عیب کو جائز رکھتے تھے چنانچہ اُستادِ مسلّم الثبوت سراج الدین علی خان آرزو کا ایک [illegible]

ہشیار، یارِ جانی، یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

(۵)
اس راہ میں جو آیا اسوار کے گھکے گھوڑا
سویا سرا میں جا کے، تو چور نے جھنجھوڑا
ٹھگ سے بچا، تو آگے قزّاق نے نہ چھوڑا
تیغہ رہا نہ بھالا گھوڑا رہا نہ کوڑا

ہشیار، یارِ جانی، یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

(۶)
نادان کو پلا کر اِک بھنگ کا پیالا
دانا ملا، تو اُس میں گھولا دھتورا کالا
کپڑے بغل میں مارے اور لے لیا دوشالا
ہوتے ہی غافل اُس کو، پھانسی ہی پہ کھینچ ڈالا

ہشیار، یارِ جانی، یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

(۷)
پیسے، روپے، اشرفی، یا سیم زر کا بیڑا
میدان، چوک، کھائی یہ فن ہے وہ دھنترا
پھر جیب گھر میں لاوے، ہے کون ایسا چترا
کترے ہے جیب چڑھ کر ہاتھی پہ جیب کترا

(حاشیہ: پھر جیب کھر)

ہشیار، یارِ جانی، یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

(۸)
چڑیا نے دیکھ غافل کپڑا اُدھر گھسیٹا
چیلوں نے مار پنجے کوّے کا سر گھسیٹا
کوّے نے وقت پا کر چڑیا کا گھر گھسیٹا
جو جس کے ہاتھ آیا وہ اُس نے دھر گھسیٹا

(حاشیہ: پر نہ)

ہشیار، یارِ جانی، یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

(۹)
صیّاد چاہتا ہے ہو صید کا گذارا
قابو چڑھا تو اُس کا دانہ وہ کھا سدھارا
اور صید چاہے، دانا کھا کر کرے کنارا
اور کچھ بھی چال چوکا تو وہیں جال مارا

ہشیار، یارِ جانی، یہ دشت ہے ٹھگوں کا

لہ گرہ کے ران جمائے قابو میں کر کے۔ سلہ دھنتر یا دھنترا (دھنی) دولت والا آدمی زبردست طاقت ور۔

یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

(۱۰)

نکلا ہی شیر گھر سے گیدڑ کا گوشت کھانے
کیا کیا کریں ہیں باہم مکر و دغا، بہلانے

گیدڑ کی دُھن لگا وے خود شیر کو ٹھکانے
بھیاں وہ بچا، نظیر، اب جس کو رکھا خدا نے

ہشیار، یار جانی، یہ دشت ہی ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

نظم نمبر ۱۳۲

آدمی کی فلاسفی

(۱) امیر غریب سب آدمی ہیں

دُنیا میں بادشاہ ہی سو ہی وہ بھی آدمی
زردار، بینوا ہی سو ہی وہ بھی آدمی

اور مُفلس و گدا ہی سو ہی وہ بھی آدمی
نعمت جو کھا رہا ہی سو ہی وہ بھی آدمی

ٹکڑے جو مانگتا ہی سو ہی وہ بھی آدمی

(۲) اولیا

ابدال و قطب و غوث و ولی آدمی ہوئے
کیا کیا کرشمے کشف و کرامات کے کیے

مُنکر بھی آدمی ہوے اور کُفر کے بھرے
حتّٰی کہ اپنے زُہد و ریاضت کے زور سے

خالق سے جا ملا ہی سو ہی وہ بھی آدمی

(۳) مدعیان خدائی

فرعون نے کیا تھا جو دعوی خدائی کا
نمرود بھی خدا ہی کہاتا تھا بر ملا

شدّاد بھی بہشت بنا کر ہوا خدا
یہ بات ہی، سمجھنے کی آگے کہوں میں کیا؟

یاں تک جو ہو چکا ہی سو ہی وہ بھی آدمی

(۴) گمراہ و رہنما

یاں آدمی ہی نار ہی، اور آدمی ہی نور
کل آدمی کا حُسن و قبح میں ہی یاں ظہور

یاں آدمی ہی پاس ہی، اور آدمی ہی دور
شیطاں بھی آدمی ہی جو کرتا ہی مکر و زور

اور ہادی، رہنما ہی سو ہی وہ بھی آدمی

(۵) امام خطیب

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہی یاں میاں

بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں

ا؎ میرے خیال میں "جگار رہا ہی" اصح ہی۔ "جو کھا رہا ہی" اسی تصحیف ہی جو بعض قدیم نسخوں میں پایا جاتا ہی۔ جگانے کے معنی ہیں جمع کر کرکے رکھنا۔

عنوان	مصرع	مصرع	حاشیہ
	پڑھتے ہیں آدمی ہی قرآن اور نماز یاں	اور آدمی ہی اُن کی چُراتے ہیں جوتیاں	قرآن و نماز
	جو اُن کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی		
(۶) سپاہی اُچکا	یاں آدمی پہ جان کو وارے ہے آدمی	اور آدمی ہی تیغ سے مارے ہے آدمی	
	پگڑی بھی آدمی کی اُتارے ہے آدمی	چلّا کے آدمی کو پکارے ہے آدمی	
	اور سُن کے دوڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی		
(۷) بھانڈ تماشائی	ناچے ہے آدمی ہی بجا تالیوں کو، یار	اور آدمی ہی ڈالے ہے اپنی ازار اُتار	
	ننگا کھڑا اُچھلتا ہے ہو کر ذلیل و خوار	سب آدمی ہی ہنستے ہیں دیکھ اُس کو بار بار	
	اور وہ جو مسخرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی		
(۸) مسافر ٹھگ	چلتا ہے آدمی ہی مسافر ہو لے کے مال	اور آدمی ہی مارے ہے پھانسی گلے میں ڈال	
	یاں آدمی ہی صید ہے، اور آدمی ہی جال	سچا بھی آدمی ہی نکلتا ہے میرے لال	
	اور جھوٹ کا بھرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی		
(۹) برات کا سماں	یاں آدمی ہی شادی ہے اور آدمی ہی بیاہ	قاضی، وکیل آدمی، اور آدمی گواہ	آدمی بیاہ
	تاشے بجاتے آدمی چلتے ہیں خواہ مخواہ	دوڑے ہیں آدمی ہی مشعلیں[1] جلا کے واہ!	مشالیں
	اور بیاہنے چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی		
(۱۰) سواری کا سماں	یاں آدمی نقیب ہو بولے ہے بار بار	اور آدمی ہی پیادے ہیں، اور آدمی سوار	
	حقہ، صراحی، جوتیاں دوڑیں بغل میں مار	کاندھے پہ رکھ کے پالکی ہیں آدمی کہار	
	اور اُس پہ جو چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی		
(۱۱) بازار کا سماں	بیٹھے ہیں آدمی ہی دُکانیں لگا لگا	کہتا ہے کوئی "لو" کوئی کہتا ہے "لا رے لا"	
	اور آدمی ہی پھرتے ہیں رکھ سر پہ خوانچا	کس کس طرح سے بیچے ہیں چیزیں بنا بنا	بیچتے

[1] اس لفظ کو چونکہ نظیر نے مطابق تلفظ باندھا ہے لہذا اکثر مصححین نے اس کی تصحیح میں اپنے منصب سے تجاوز کر کے خواہ مخواہ بعض الفاظ کم و بیش کر دیے ہیں۔ مشعل کو مفعل کے وزن پر ہے لیکن اردو کا تلفظ ہو مشال بروزن مقال۔ جمع کی صورت میں تین طرح سے اس کو لکھ سکتے ہیں (۱) مشعلیں (۲) مشعالیں (۳) مشالیں۔ نظیر نے غالباً صورتِ ثانی کو ترجیح دی ہے —

اور مول لے رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

(۱۲) لڑائی کا سماں — آقا۔ غلام۔ مہتر۔ مزدور

یاں آدمی ہی قہر سے لڑتے ہیں گھور گھور
اور آدمی ہی دیکھ اُنھیں بھاگتے ہیں دُور
چاکر، غلام آدمی، اور آدمی مزُور
یاں تک کہ آدمی ہی اُٹھاتے ہیں جا ضرور
اور جنسے وہ پھرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

(۱۳) ناچ کا سماں

طبلے، مجیرے، دائرے، سارنگیاں بجا
گاتے ہیں آدمی ہی ہر اک طرح جا بجا
رنڈی بھی آدمی ہی نچاتے ہیں گت لگا
وہ آدمی ہی ناچیں ہیں، اور دیکھو یہ مزا
جو ناچ دیکھتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

حاشیہ: دیکھے — دیکھا

(۱۴) خوب صورت بدصورت

یاں آدمی ہی لعل، جواہر ہے بے بہا
اور آدمی ہی خاک سے بدتر ہے ہو گیا
کالا بھی آدمی ہے کہ اُلٹا ہے جوں توا
گورا بھی آدمی ہے کہ ٹکڑا سا چاند کا
بدشکل و بدنما ہے سو ہے وہ بھی آدمی

حاشیہ: ہے — ہو؛ ہے — ہے

(۱۵) خوش لباس مرقع دوز

اک آدمی ہیں جن کی یہ کچھ زرق برق ہیں
رُوپے کے اُن کے پانو ہیں، سونے کے فرق ہیں
جھمکے تمام غرب سے لے تا بشرق ہیں
کمخواب، تاش، شال دوشالوں میں غرق ہیں
اور چیتھڑوں لگا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

(۱۶) فرشِ گل فرشِ خاک۔

اک ایسے ہیں کہ جن کے بچھے ہیں نئے پلنگ
پھولوں کی سیج اُن پہ جھمکتی ہے تازہ رنگ
سوتے ہیں لپٹے چھاتی سے معشوق شوخ و شنگ
سو سو طرح سے عیش کے کرتے ہیں رنگ ڈھنگ
اور خاک میں پڑا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

(۱۷) نرمی و سختیِ مزاج

حیراں ہوں، یارو، دیکھو تو کیا یہ سوانگ ہے
اور آدمی ہی چور ہے اور آپھی تھانگ[1] ہے
ہے چھینا جھپٹی اور کہیں مانگ تانگ ہے
دیکھا تو آدمی ہی یہاں مثلِ رانگ ہے
فولاد سے گڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

حاشیہ: آپ — آپ؛ گڑھا ہے — گڑا ہے

(۱۸) جنازے کا سماں

مرنے میں آدمی ہی کفن کرتے ہیں تیار
نہلا دُھلا اُٹھاتے ہیں کاندھے پہ کر سوار

[1] تھانگ چوروں کا ٹھکانا۔ چوروں کی گڑھی۔ چوروں کی جائے پناہ۔ مجازاً وہ شخص جو چوروں کو پناہ دے۔ تھانگی دار۔

کلمہ بھی پڑھتے جاتے ہیں، روتے ہیں زار زار ۔ سب آدمی ہی کرتے ہیں مُردے کا کاروبار
اور وہ جو مرگیا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

(۱۹) خاتمہ
اشراف اور کمینے سے لے شاہ تا وزیر ۔ ہیں آدمی ہی صاحبِ عزت بھی اور حقیر
یاں آدمی مُرید ہیں، اور آدمی ہی پیر ۔ اچھا بھی آدمی ہی کہاتا ہے اے نظیر
اور سب میں جو بُرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

چھٹا باب

عشق و محبت

نظم نمبر ۱۳۳

لیلیٰ مجنوں

مُعشَّر

(۱) حمد و نعت تمہید قصہ
سب پہلے تو حمد خالقِ ارض و سما لکھوں ۔ بعد اُس کے پھر میں نعتِ شہِ انبیا لکھوں
گر عمر بھر میں اس کو لکھوں تو بھی کیا لکھوں ۔ بے انتہا ہے وہ تو، غرض تا کجا لکھوں
لازم ہے اس میں طبع کو عجز انتما لکھوں ۔ کچھ وصفِ حُسن کا لکھوں، کچھ عشق کا لکھوں
کچھ ناز کچھ نیاز بفکرِ رسا لکھوں ۔ ہے جی میں لیلیٰ مجنوں کا کچھ ماجرا لکھوں
سچ پوچھیے تو دونوں عجب کام کر گئے
معشوقی عاشقی میں غرض نام کر گئے

(۲) قیس کی پیدائش
پیدا ہوا تھا قیس جب اپنے پدر کے گھر ۔ ماں باپ کو ہوئی تھی خوشی سب سے بیشتر
کُنبے کے لوگ بیٹھے تھے باہم سب آن کر ۔ اِک دھوم مچ رہی تھی خوشی کی اِدھر اُدھر
چُومے تھا باپ قیس کے ہر لحظہ چشم و سر ۔ رکھتے تھے ہاتھوں چھاؤں اُسے گر چہ بے خطر
ماں بھی لیے پھرے تھی اُسے اپنے دوش پر ۔ فرزند کی خوشی میں لٹاتی تھی سیم و زر

لیکن وہ ماں کی گود میں آکر نہ سوتا تھا
ہر وقت شور کرتا تھا، ہر لحظہ روتا تھا

(۳) ناسازیٔ مزاج اور تدبیر و علاج

ماں در تھپک تھپک کے سُلاتی تھی کر کے پیار
تعویذ ڈالتا تھا گلے بیچ بے شمار
رہتا تھا اک فقیر کوئی واں بزرگوار
سنتے ہی اُس نے آہ کی، اور ہو کے اشکبار

پھرتا تھا باپ فال دِکھاتا بہ چشمِ زار
لیکن اُسے قرار نہ آتا تھا زینہار
جس دم وہ حال اُس پہ کیا جا کے آشکار
مجنوں کے باپ سے یہ کہا اُس گھڑی پکار

دُکھ پانے والے لڑکے جو دُنیا میں آتے ہیں
لچھن سب اُن کے پہلے ہی پہچانے جاتے ہیں

(۴) فقیر کا چٹکلا

لڑکا ترا یہ عاشقِ سرشار ہووے گا
زلفوں میں نازنیں کی گرفتار ہووے گا
ناز و ادا کا دل سے خریدار ہووے گا
رمزوں سے عاشقی کی خبردار ہووے گا

محفل میں عاشقوں کی یہ نمودار ہووے گا
چشمِ کرشمہ ساز کا بیمار ہووے گا
دیدارِ خوبرو کا طلبگار ہووے گا
رسوائے شہر و کوچہ و بازار ہووے گا

تدبیر یہ نہ رونے کی اس کے کیا کرو
تم گل رخوں کی گود میں اس کو دیا کرو

(۵) چٹکلے کا کارگر ہونا

مجنوں کا باپ سنتے ہی گھر کی طرف پھرا
جب اُن پری رخوں نے اُسے پیار تک کیا
ماں باپ کا دل اُس کے تئیں دیکھ خوش ہوا
مکتب میں اُس کے باپ نے لا کر بٹھا دیا

آیا تو گل رخوں کی اُسے گود میں دیا
تھا وہ جو رونا دھونا سو موقوف ہو گیا
بارے اِسی طرح سے ہوا جب وہ کچھ بڑا
اک قاعدہ بھی سامنے اُس طفل کے رکھا

مکتب کو دیکھ قیس نے ہوش اپنا کھو دیا
دیکھا جو قاعدے کو بھی، ہار دہا تو رو دیا

(۶) عشق کی تعلیم

اُستاد ایسے بیٹھے کہ پوجیں وہ عشق کو

روے سخن میں اُن کے مئے عاشقی کی بو

جو کچھ پڑھے تو یوں کہیں "غم کے گھر پر د"
معنی جو پوچھے تو کہیں "صبر و قرار کھو"
"دِل دے کے خوبرو کی محبّت میں خوب رو"
تختی لکھے تو بولیں "اُسے آنسوؤں سے دھو"
تقریر پوچھے تو یہ کہیں اُس بُت کے روبرو:
باعث جو عشق کے تھے وہ حاضر تھے دو بتو

چاہت کی پاک بازی کا ہر دم رواج تھا
لڑکا بھی ابتدا ہی سے عاشق مزاج تھا

(۷) حسینِ ہم مکتب

اس کے سوائے اور یہ جادو بھر کنار
صورت کو جن کی دیکھ کے بُلبُل ہو بیقرار
باہر پڑے تڑپتے تھے مُشتاق دل فگار
جو اُن میں لڑکیاں بھی کئی تھیں حیا نگار
لڑکے جو اُس میں بیٹھے سوا ایسے وہ گُل عذار
اندر تو قاتلوں کا وہ مجمع ستم شعار
اُن کے سوا یہ اَور قیامت تھی آشکار
جادو یہ جادو جب یہ ہوا آن کر دوچار

دیوانگی کے بڑھنے کا دیوان ہو گیا
مکتب وہ اس کے حق میں پرستان ہو گیا

(۸) عشق کا پیدا ہونا

حُسن و ادا کا، ناز کا دیکھا جو التیام
تھی شرگیں وہ نازنیں، لیلیٰ تھا اُس کا نام
بن دام اُس نے کر لیا مجنوں کے تئیں غلام
ایسا ہوا کہ بڑھنے لگا جی میں صبح و شام
اُن لڑکیوں میں ایک جو لڑکی تھی خوش خرام
زُلف اُس صنم کی ہو گئی مجنوں کے دل کی دام
اُس کے بھی دل میں اُلفتِ مجنوں کا ازدحام
چاہت کی مے کے پی لیے آپس میں بھر کے جام

تقدیر سے جو چاہ کا روشن قلم ہوا
دونوں دلوں پہ حرفِ محبّت رقم ہوا

(۹) عاشقانہ برتاؤ

یہ چاہتا تھا اُس کو، اِسے وہ لبھاتی تھی
سنکھ نگہ سے نہ ہرگز لڑاتی تھی
ظاہر میں تو ہر اک سے وہ چاہت چھپاتی تھی
مکتب سے جب وہ نازنیں مُنہ گھر کو جاتی تھی
چاہت جو یہ جتاتا تھا، وہ بھی جتاتی تھی
پر نیچی نیچی نظروں سے کچھ مُسکراتی تھی
لیکن وہ دل ہی دل میں محبّت بڑھاتی تھی
مجنوں کے دل پہ تب تو قیامت سی آتی تھی

ہوتا ہجوم جی میں جو تھا اضطراب کا
اک اک ورق بکھرتا تھا دل کی کتاب کا

(۱۰) مضمون تختی مشق کرنا ہے

تختی کو لے کے جب وہ قلم کو اُٹھاتا تھا
بے کی کشش میں طولِ طپش کو جتاتا تھا
لکھنے میں میم کے جو قلم کو ہلاتا تھا
جس وقت عین لکھنے میں دل کو لگاتا تھا

مشقِ الف میں آہ کی مدّیں دکھاتا تھا
نقطے کی جائے قطرۂ آنسو بہاتا تھا
نقشِ دہنِ صنم کا اُسے یاد آتا تھا
دیکھ اُس کو چشمِ یار تصوّر میں لاتا تھا

تختی وہ کیا تھی، دفترِ رنج و ملال تھا
لکھنے کی بات پُوچھو، تو اُس کا یہ حال تھا

(۱۱) صدمۂ جدائی

جاتی تھی جب وہ گھر میں تو اُس کا بھی تھا یہ حال
ہوتی تھیں چھپکے رونے سے آنکھیں جب اُس کی لال
کہتی تھی آنکھ میں جو پلک کا گیا ہے بال
مجنوں سے ملنے کا جو اُسے شوق تھا کمال

مکتب میں جلد جانے کا تھا دم بہ دم خیال
جو پُوچھتا تھا اُس سے کوئی موجبِ ملال
ہوتا ہے اس سبب مرے اشکوں کا اتّصال
اک دم کے دُور رہنے میں ہوتا تھا جی نڈھال

جاتی تھی جلد، پھر اُسی عنوان آتی تھی
مجنوں کے تن میں دیکھ کے پھر جان آتی تھی

(۱۲) مجنوں دونوں چھپے سے ...

کتنے دنوں تو زور ہی ہمرازیاں ہوئیں
چاہت کی ہر کسی سے نہاں سازیاں ہوئیں
نہ افترا ہوا، نہ دراندازیاں ہوئیں
چھپ چھپ کے ہم دگر کی نظر بازیاں ہوئیں

اُلفت کی تازہ تازہ تراندازیاں ہوئیں
ہرگز نہ اتّہام، نہ غمّازیاں ہوئیں
شوقِ درون کی آئینہ پردازیاں ہوئیں
یکتا دلی میں طبع کی انبازیاں ہوئیں

مکتب کے بیچ گُل کی طرح سے کھِلے رہے
ناز و نیاز کیا ہی گھُلے اور مِلے رہے

(۱۳) [illegible]

اُس گُل بدن کے دل میں چھپا ہجر کا جو خار
مکتب میں جاتی وہ جو کچھ ہوتا تھا اختیار

مجنوں کو تھا جو لیلیٰ کے آنے کا انتظار
اب کوئی دم میں دیکھینگے پھر وصل کی بہار"
آگے تو اتنی دیر نہ لگتی تھی زینہار"
کہتا تھا: "آتی ہوگی وہ محبوب گل عذار
پھرتا کبھی یہ کہتا وہ گھبرا کے بے شمار
ہرگز نہ جی کو چین، نہ خاطر کو تھا قرار

کثرت سے طبع پر جو چڑھی دل کی چاہ تھی
در کی طرف نگاہ تھی، اور آہ آہ تھی

(۱۴) لیلیٰ کا شام تک نہ آنا اور مجنوں کا رو کر صبح کرنا

جب شام تک نہ آئی وہ مجنوں کی مہ جبیں
بیمِ پدر کبھی، کبھی مادر سے سہمگیں،
بیکل، تمام رات رہا خستہ و حزیں
جو ہجر نے دکھائیں جفائیں وہ سب سہیں
چھپ چھپ کے سب سے روتی رہی گھر میں نازنیں
بیتابی جب تو ایسی ہوئی قیس کے تئیں
اشکوں سے آنکھیں اُس کی بھری صبح تک رہیں
کہتا رہا یہ دل سے کہ "اے دل، یہ ہے یقیں

لیلیٰ کا میرے پاس جو آنا نہ ہووے گا
تو میری زندگی کا ٹھکانا نہ ہووے گا

(۱۵) اضطرابِ جانبین

مجنوں کے دل پہ جب یہ ستمگاریاں ہوئیں
ہر آن بے بسی کی مددگاریاں ہوئیں
اُٹھنے کی ننگ و نام کے تیاریاں ہوئیں
جتنی کہ اُس کو ملنے کی دُشواریاں ہوئیں
فرقت کے درد و غم کی گرفتاریاں ہوئیں
ہر دم اِدھر اُدھر کی دل آزاریاں ہوئیں
ہجراں کی لحظہ لحظہ جفاکاریاں ہوئیں
اُتنی ہی اُس صنم کو بھی ناچاریاں ہوئیں

جیسا کہ اُس کے دل کے تئیں پیچ و تاب تھا
ویسا ہی نازنیں کے تئیں اضطراب تھا

(۱۶) مجنوں کی حالت

کتنے دنوں تو قیس رہا دل سنبھالتا
جو فکرِ وصل ہوتی ہی چاہت میں جا بہ جا
لیلیٰ کا جب گذر نہ اُدھر مطلقاً ہوا
ماں باپ سے بھی رہنے لگا ہر گھڑی خفا
ہر لحظہ رنج و درد سہا انتظار کا
اُس بیقرار نے بھی کیا اب وہ ٹھک ٹھکا
پھر تو گھر اپنا بھی اُسے لگنے لگا بُرا
سمجھاتے تھے جو اُس کے تئیں خویش و اقربا

آنکھوں سے آنسو بہتے تھے اور لب خموش تھا
ہرگز کسی کی بات پہ رکھتا نہ گوش تھا

(۱۷) گھر میں مجنوں کی ہوا سے باتیں

گھبرا کے تھا کبھی جو سرِ بام بیٹھتا
کہیو مری طرف سے کہ "اے شوخ دل ربا
کیوں مجھ سے روٹھ بیٹھی ہے خاطر میں ہو خفا؟
لازم ہے ایک بار تو میرے کنے پھر آ
کہتا ہوا سے "اس گھڑی لیلیٰ کے پاس جا
تیغ نگہ سے تو نے جو بسمل مجھے کیا
اے نازنیں، بتا ہوئی تقصیر مجھ سے کیا؟
اگر کسی بہانے سے پھر منھ مجھے دکھا"

پہروں تلک یہ حال ہوا کو سناتا تھا
باتیں یہ اس سے کہتا تھا اور روتا جاتا تھا

(۱۸) چمن میں بے قراری۔

جاتا کبھی چمن میں تو ہوتا وہاں یہ حال
مل بیٹھنے کا لیلیٰ کے تھا باندھتا خیال
نرگس سے چشمِ لیلیٰ کو دیتا کبھی مثال
ہر سرو کو سمجھ قدِ لیلائے خوش جمال
بلبل کو وصلِ گل میں جو تھا دیکھتا نہال
رو رو کے آنکھیں کرتا تھا گل کی طرح سے لال
سنبل سے یاد آتے تھے لیلیٰ کے اس کو بال
ہر دم گلے لگاتا تھا بیتاب ہو کمال

دل سختیِ فراق سے جوں غنچہ تنگ تھا
گھر میں تو وہ طرح تھی چمن میں یہ رنگ تھا

(۱۹) چھٹی کے بعد مشغلۂ اشک باری اور بے خوابی

چھٹی جو ملتی، اور تو سب لڑکے لڑکیاں
لیلیٰ کے آنسو ہوتے تھے رخسار پر رواں
تو جاکے دیکھوں مجنوں کو مکتب کے درمیاں"
جاتا تھا دیکھنے اُسے رہ رہ کے دو ستاں
ہنستے اچھلتے کودتے کر کر کے بازیاں
کہتی تھی: "ہو جو رات کی جلدی سحر عیاں
مجنوں بھی ہر بہانے سے تا شام اس کے ہاں
جب ہوتی رات گھر میں پھر آتا تھا نیم جاں

لیلیٰ کی یاد دل کو جو ہر دم ستاتی تھی
آنکھوں میں نیند اس کے سحر تک نہ آتی تھی

(۲۰) [illegible]

ہوتی تھی جب سحر تو وہ مکتب میں آتا تھا
لیلیٰ کو پہلے آنے سے اپنے وہ پاتا تھا

(۲۰) شب جدائی کے بعد ملاقات۔ بات چیت

اُس غنچہ لب کے مُنھ سے جو وہ مُنھ ملاتا تھا … گل کی طرح سے دل میں نہ پھُولا سماتا تھا
ملنے کا اشتیاق ہر اِک دم سُناتا تھا … دل کی طلب کو اپنی نگہ سے جتاتا تھا
جب حرفِ شوق لیلیٰ کے لب سے بر آتا تھا … اُس نازنیں کی چاہ پہ قربان جاتا تھا

کہتا تھا: "میں غلام ترا بے تمیز ہوں"
کہتی تھی ہنس کے وہ بھی: "میں تیری کنیز ہوں"

(۲۱) نشانی کا مُبادلہ

پھر گھر میں اپنے جاتی جو محبوبِ دل رُبا … مجنوں جو کچھ صنم سے نشانی تھا مانگتا
دیتی وہ کچھ تو مجنوں سے کہتی تھی تو بھی لا … مجنوں بھی دیتا اُس کو تو لے کر وہ مہ لقا
چُومے تھی اُس نشانی کو سب سے چھُپا چھُپا … مجنوں بھی ہر گھڑی اُسے آنکھوں پہ رکھتا تھا
رہتے تمام رات اسی دُھن میں مُبتلا … اس میں وہ صُبح جب اُنھیں دیتی تھی مُنھ دکھا

مکتب میں پھر تو آنے کی تشیید[1] ہوتی تھی
دونوں کو وہ سحر سحرِ عید ہوتی تھی

(۲۲) افشائے راز

جب تک یہ خرد سال تھی چاہت نہاں رہی … سیانی ہوئی تو تاڑنے والوں پہ کچھ کھلی
لوگوں میں چرچے ہونے لگے اس کے ہر گھڑی … چاہت کے گل کی بو نہ رہی آخرش چھپی
جانا کسی کسی نے، ملامت کسی نے کی … پھر تو وہ پھیلی ایسی کہ پہنچی گلی گلی
کچھ بن سکا نہ جب تو ہوئی اُن کو بے بسی … چھُٹ پن کی تھی جو چاہ تو ہرگز نہ چھُٹ سکی

آساں نہیں ہے رشتۂ اُلفت کو توڑنا
مشکل ہے بالے پن کی مُحبت کو چھوڑنا

(۲۳) لیلیٰ کا مکتب میں جانا بند ہوتا ہے

پہنچی یہ بات خانۂ لیلیٰ میں جس گھڑی … ماں باپ کے دلوں میں پڑی غم کی گُھنڈی
لیلیٰ جب اُن کے روبرو آکر ہوئی کھڑی … دونوں کی طبع کثرتِ تنبیہ پر اڑی
گھُڑکیاں دیں باپ نے کچھ ماں ہوئی کڑی … ہیبت دکھائی اور تقید بھی کی بڑی

[1] تشیید کے معنی ہیں عمارت بلند کے۔ یہاں تمہید مراد ہے۔

تدبیر اور اس کے سوا کچھ نہ بن پڑی
مکتب سے اس کو منع کیا مار کر چھڑی

مجبور کر دیا وہیں فرحت کے ساتھ سے
تختی کتاب چھین لی لیلیٰ کے ہاتھ سے

(۲۴) دونوں کی بے قراری۔

بے بس ہو گھر میں بیٹھ رہی جب تو وہ صنم
مجنوں کی یاد صفحۂ دل پر جو تھی رقم
لیلیٰ کی یاد مجنوں پہ کرتی تھی یاں ستم
لیلیٰ کی شکل پھرتی تھی آنکھوں میں ہر قسم
ہوش و حواس کر گئے خاطر سے اُس کی رم
مجنوں ہی مجنوں کہتی تھی دل میں بدرد و غم
تختی کہیں پڑی تھی، پڑے تھے کہیں قلم
واں ایک پل قرار، نہ یاں چین ایک دم

دونوں کے صحنِ دل میں جو بیتابی ہوتی تھی
واں "مجنوں مجنوں" ہوتا تھا، یاں "لیلیٰ لیلیٰ" تھی

(۲۵) قیس کا مجنوں بنتا اور لیلیٰ کے سوا سب کو بھول جانا۔

لاتا تھا باپ کھینچ کے اُس کو گھڑی گھڑی
ناچار اُس کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی
تدبیر اور جنوں کی جو ہوتی ہے وہ بھی کی
کہتا تھا باپ جا کے جو اُس سے کبھی کبھی
چین اُس کے دل کو گھر میں نہ ہوتا تھا اک ذری
زنجیر کی صدا سے بھی دیوانگی، بڑھی
آخر گھر اپنا چھوڑ کے صحرا کی راہ لی
"بیٹا! میں تیرا باپ ہوں، مل مجھ سے اِس گھڑی"

کہتا تھا رو کے: "میں تو تجھے جانتا نہیں
لیلیٰ سوا کسی کو میں پہچانتا نہیں"

(۲۶) مجنوں کا لیلیٰ کے گھر آنا لیلیٰ کا کسی طرح صورت دکھا جانا۔

آتا تھا دیکھنے کو جو لیلیٰ کے وہ کبھی
کھڑکی کو دیکھتا تھا کہ ہے بند یا کھلی
لیلیٰ کو اُس کے آنے سے ہوتی تھی آگہی
مادر پدر کے خوف سے تھی گرچہ بے بسی
تھا چومتا بہانے سے چوکھٹ جو گھر کی تھی
کرتا نگاہ تھا کبھی جالی پہ ہر گھڑی
پھرتی اِدھر اُدھر تھی وہ حیلے کو ڈھونڈتی
تو بھی ہر ایک طرح سے صورت دکھاتی تھی

کچھ کہنے پاتی کیوں کہ؟ حذر ہوش کھوتا تھا
باتوں کے بدلے واں اِسے رو دینا ہوتا تھا

(۲۷) سیرِ باغ کا حیلہ

جاتی تھی سیرِ باغ کو جس دم وہ دل رُبا
دیدار کے لیے وہ بہانہ تھا باغ کا
سُنتے ہی دوڑتا تھا خوشی سے وہ مُبتلا
محمل کے پردے کو وہیں دیتی تھی پھر اُٹھا
مجنوں کے دیکھنے کا وہ رکھتی تھی مُدّعا
لڑکے جب آ کے مجنوں کو دیتے تھے یہ سُنا
لَیلیٰ بھی اُس کے سُنتی تھی جب شُور کی صدا
جلدی سے اُس کو دیتی تھی مُنھ اِک نظر دکھا

دونوں طرف سے شوق جو نشتر چُھبوتا تھا
واں دیکھنا دکھانا اسی ڈھب سے ہوتا تھا

(۲۸) لوگوں کا ظلم مجنوں کا سُوکھ کر کانٹا ہو جانا

مجنوں کا مُدّتوں تلک ایسا ہی حال تھا
گر بن گیا بہانہ تو ٹک مُنھ کو تک لیا
سر کی خبر نہ اپنے اُسے تھی، نہ ہوش پا
رہتا تھا رات دن غمِ فرقت میں دل پھنسا
آیا کبھی تو ٹھہر نے اُس کو نہ واں دیا
ورنہ وہ اپنے پھر اُسی وادی میں جا پڑا
لیلیٰ ہی لیلیٰ اُس کی زباں پر تھی جا بہ جا
تن کا بیاں میں، یار و! کہوں اُس کے اور کیا؟

غالب جو اس کے جی پہ وہ دیوانہ پن ہوا
لیلیٰ کی جو کمر تھی وہ اُس کا بدن ہوا[1]

(۲۹) وردِ لیلیٰ

کہتا تھا وہ سبھوں سے مِری دلفگار لیلیٰ ہے
محفل میں دل بروں کے نمودار لیلیٰ ہے
نازو ادا کی گرمیِ بازار لیلیٰ ہے
محبوب گُل رُخوں کی وفادار لیلیٰ ہے
اس خستہ دل کی مُونس و غمخوار لیلیٰ ہے
خوبی و دلبری میں چمن زار لیلیٰ ہے
خُوبانِ نازنیں میں فسوں کار لیلیٰ ہے
مجنوں کی عاشقی کے سزاوار لیلیٰ ہے

لیلیٰ ہی کی ادا پہ مرا دل نثار ہے
لیلیٰ ہی کی نگہ مرے سینے سے پار ہے

(۳۰) نسبت کا پیام

ماں باپ نے جب اس کی یہ کچھ دیکھی بیکلی
مادر پدر نے لیلیٰ کے بات اُس سے یہ کہی:
"مشاطہ ایک خانۂ لیلیٰ میں بھیج دی
لڑکے کی اُن کے تو ہی جنوں سے لگن لگی"

[1] بعض نسخوں میں اس بند کے بعد وہ بند لکھا ہے جو اس طرح شروع ہوتا ہے: ماں باپ کے بھی دل کو ادھر لگ رہی خوشی الخ (بند ۳۵)

سُنتے ہیں وہ تو رہتا ہے وحشی سا ہر گھڑی
اُن سے کہا، تو یاں سے یہ کہہ بھیجا ہر گھڑی:
مشّاطہ جب یہ سُن کے اِدھر سے اُدھر پھری
سب جھوٹ ہے جو کہتے ہیں اس کی دوانگی

"کچھ خوف مت کرو، اُسے ہر دم پرکھ لو،
یا ورنہ ہو تو اپنی تم آنکھوں سے دیکھ لو،،

(۳۱) قیس دولھا بنایا جاتا ہے

کہکر یہ، قیس کو وہ ارادہ جتا دیا
زُلفیں سنوار آنکھوں میں سُرمہ لگا دیا
پٹکا سُنہرا اُس کی کمر میں بندھا دیا
رومال اک زری کا بھی ہاتھوں میں لا دیا
زرّیں لباس اُس کے بدن میں پنہا دیا
دستارِ زرفشاں کو بہ سر جگمگا دیا
بُردِ یمن کو دوش کے اوپر اُڑھا دیا
بُوڑھے بڑوں کے ساتھ اُسے واں بھجا دیا

جتنے بزرگ تھے اُسے سب لے کے واں گئے
مل کر جو بیٹھے یہ بھی خوش اور وہ بھی خوش ہوئے

(۳۲) سب پسند کرتے ہیں

کہتے ہیں قیس لڑکوں میں صاحب جمال تھا
واں جس نے دیکھا اُس کو بہت جی کو خوش لگا
کہتی تھیں: "یہ تو لڑکا نہایت ہے خوش ادا
کتنے تھے اُن کے پاس جو لیلیٰ کے اقربا
پوشاک جب وہ پہنی تو حُسن اور بھی بڑھا
تھیں بیبیاں بھی دیکھتیں غُرفوں سے جابجا
دیوانگی کا اس کی عبث شُور تھا مچا،،
لڑکے کا حُسن سب کی نگاہوں میں تھا کُھبا

سب دل میں اپنے تُخمِ محبت کو بوتے تھے
اُلفت کی باتیں کرتے تھے اور شاد ہوتے تھے

(۳۳) سگِ لیلیٰ کا آنا

کہتے ہیں ایک سگ کہیں لیلیٰ نے پالا تھا
مجنوں نے سر کو پانوں پہ اس سگ کے رکھدیا
رومال وہ زری کا اُسی کو اُڑھا دیا
ہاتھا پنا اُس کے سر پہ کبھی پیٹھ پہ رکھا
ناگاہ جب وہ قیس کی اُس جا نظر پڑا
کر پیار اُس کو اپنے گلے سے لگا لیا
گودی میں اپنے پیار سے جلدی بٹھا لیا
بے اختیار ہوکے اُسے جب تو یہ کہا:

لیا بٹھا

تو جس کے پاس ہے مجھے اُس سے جُدائی ہے

مدّت میں تیری شکل نظر مجھ کو آئی ہے"

(۳۴) بنائے قیس کا بگڑ جانا

اُس سگ کو دیکھ قیس کا جب ہو گیا یہ حال
جو ہاتھ پیار سے دیے گردن میں اُس کی ڈال
سب کے تئیں یہ دیکھ کے حیرت ہوئی کمال
تھے جیسے خوش وہ دیکھ کے واں قیس کا جمال
ویسا ہی اُن کے دل کو ہوا رنج اور ملال
آپس میں جب تو کرنے لگے سب یہ قیل و قال:
جو ہوش میں ہو اُس سے تو یہ بات ہی محال
ہوتی مگر ہے ایسی دوانوں کی چال ڈھال"

یہ ڈھنگ قیس کے جو نمودار ہو گئے
جتنے گئے تھے ساتھ وہ ناچار ہو گئے

(لاچار)

(۳۵) ماں باپ کی امیدوں کا خاک میں ملجانا

ماں باپ کے تھی دل کو ادھر لگ رہی خوشی
یعنے پسند ہوگی اُنھیں طرزِ قیس کی
اتنے میں آئے پھر کے اُدھر سے جو وہ سبھی
جو واردات گذری تھی آکر وہ سب کہی
اور یوں کہا: "بہت ہمیں شرمندگی ہوئی
اس سے تو ہم نہ جاتے تو بہتر وہ بات تھی
خاطر میں پھر تو قیس کی دیوانگی بڑھی
شرم و حیا و صبر نے جب دل سے راہ لی

پھر تو ہمیشہ کوچۂ لیلیٰ میں جاتا تھا
بیتابیاں جتاتا تھا اور غل مچاتا تھا

(۳۶) جنون کا کمال

آخر یہ قیس کی ہوئی حالت پھر آشکار
کر ڈالا اپنا غم سے گریبان تار تار
گھر کو بھی اپنے چھوڑ دیا ہو کے بیقرار
لیلیٰ کے در پہ آپڑا بس ہو کے بیوقار
واں سے بھی جب اُٹھا دیا اُس کو بحالِ زار
گلیوں میں جب تو پھرنے لگا ہو کے دلفگار
لڑکوں کا تھا ہجوم لگا ساتھ بیشمار
آنکھیں بھی سرخ نالوں کے غل شور بار بار

کثرت میں عشق تھا جو بتِ گلعذار کا
اک جوش تھا جنوں کے چمن کی بہار کا

(۳۷) لیلیٰ پر اثر عشق

لیلیٰ بھی اُس کی چاہ میں بے اختیار تھی
منہ کو لپیٹے رہتی تھی مسند پہ وہ پڑی
ملنے کو اس کے آتی تھیں جب لڑکیاں کبھی
وہ غمزدہ کسی سے تھی ہرگز نہ بولتی

آنکھوں میں اشک، آہ بلب اور اداس جی
زنہار میرے پاس نہ آیا کرو کبھی
ہٹ کر تمیں وہ، تو اُن کو سناتی تھی اُس گھڑی
صُحبت مجھے کسی کی نہیں لگتی ہے بھلی"

مجنوں کے دیکھنے کی تمنّا مدام تھی
لیتی سحر سے شام تلک اُس کا نام تھی

(۳۸) رفعِ دوئی

اس حد پہ چاہ پہنچی تھی دونوں کی، دوستاں
گر اس کے ایک پھانس لگی تن کے درمیاں
ہوتی تھی اِس کی چشم ادھر جب گُہر فشاں
جو اس کی شکل یاں تھی وُہی اُس کی شکل واں
جو اُس پہ گُذرا حال، وہ اِس پر ہوا عیاں
اُس کے جگر سے اُٹھنے لگا نالہ و فغاں
آنکھوں سے اشک اُس کی بھی ہوتے تھے تب رواں
اُلفت کا اُن کی آہ! میں کیا کیا کروں بیاں!

چاہت کے گُل کچھ ایسی طرح جی میں کِھل گئے
جو دل بھی اُن کے مل گئے اور تن بھی مل گئے

(۳۹) عالم من تو شدم تو من شدی آخر

سچ پوچھیے تو رکھتی ہے چاہت بھی کیا مزا!
یک رنگ دوستی میں رہے دونوں برملا
جو اُس کے پا میں پھرتے ہوئے آبلہ پڑا
مجنوں کے روئیں روئیں میں لیلیٰ گئی سما
جو فرق کی نہ عاشق و معشوق میں ہو جا
جو اُس پہ ہو گیا وہی اِس پر گُذر گیا
گھر بیٹھے اس کے پانوں میں کانٹا وہیں چُبھا
لیلیٰ کے بند بند میں مجنوں ہی بھر گیا

سہم روم سلہ

چاہت سے اُن سے کام بہت نیک ہو گئے
دونوں میں کچھ دوئی نہ رہی ایک ہو گئے

(۴۰) فصد کا عکس واقعہ

اس کی مثل میں کرتا ہوں، یارو! جواب بیاں
یہ رمزِ عشق ہے اِسے جانے ہیں عاشقاں
لیلیٰ نے ایک روز کُھلائی تھی فصد واں
حیرت ہوئی ہر ایک کو جب یہ ہوا عیاں
پنہاں نہیں غرض ہے یہ مشہور در جہاں
عُشاق کے یہ دل پہ نہیں مطلقاً نہاں
وادی میں ہو گیا رگِ مجنوں سے خوں رواں
حیرت نہیں یہ چاہ کی ہیں پُختہ کاریاں

جب پُختگی میں چاہ کا ہوتا کمال ہے

سلہ روم پرانا لفظ ہے روئیں کا مرادف۔

واں ہوتا پھر تو، دوستو! ایسا ہی حال ہی

(۱۴) خاتمہ

قصہ تو لیلی مجنوں کا ہی، دوستو! بڑا
استے سخن میں رکھتا تھا کب طبع کو رسا
سچ پوچھو تو زمانے کا ہی اعتبار کیا؟
لیلی جو اٹھ گئی، وہیں مجنوں بھی چل بسا
تھوڑا سا اس کتاب سے میں نے بھی یہ کہا
کچھ بیٹھے بیٹھے یہ بھی مرے جی میں آگیا
ہی راحتِ بہار سے رنجِ خزاں لگا
آ گئے، نظیر! اس کا بیاں اب کروں میں کیا؟

کاغذ میں نام ان کا بار قام رہ گیا
آخر کو دونوں جاتے رہے، نام رہ گیا

نظم نمبر ۱۴۴ ل

سوزِ فراق

تضمینِ مُعشّر

(۱)

مجھے، ای دوست! تیرا ہجر اب ایسا ستاتا ہی
یہ بیتابی، یہ بیخوابی، یہ بے چینی دکھاتا ہی
اگر کچھ منہ سے بولوں تو مزہ الفت کا جاتا ہی
مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
کہ دشمن بھی مرے احوال پر آنسو بہاتا ہی
نہ دل لگتا ہی گھر میں، اور نہ صحرا مجکو بھاتا ہی
و گر چپکا ہوں رہتا تو کلیجہ منہ کو آتا ہی
وگر دم در کشم ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد

کوک کروں تو جگ ہنسے اور چپکے لاگے گھاؤ
ایسو کٹھن سنیہ[۲] کا کس بدھ کروں اپاؤ[۳]

(۲)

نہ تھا معلوم جو الفت میں غم کھانا بھی ہوتا ہی
سسکنا، آہ کرنا، اشک بھر لانا بھی ہوتا ہی
کیے پر اپنے پھر آپھی کو دکھ پانا بھی ہوتا ہی
اگر دانستمے روزِ ازل داغِ جدائی را
جگر کی بیکلی اور دل کا گھبرانا بھی ہوتا ہی
تڑپنا، لوٹنا، بیتاب ہو جانا بھی ہوتا ہی
کفِ افسوس کو مل مل کے پچھتانا بھی ہوتا ہی
نمیکردم بدل روشن چراغِ آشنائی را

ل کوئی اس نظم کو واسوخت کہتا ہی کوئی ترکیب بند۔ مخمس دونوں میں غلط ہی چوں کہ یہ فراقیہ نظم گائی بھی جاتی ہی اور نہایت گہرا اثر سوز و گداز کا رکھتی ہی لہٰذا اس کو سوزِ فراق سے ملقب کیا گیا [۲] سنیہ۔ دکنی محبت۔ عشق [۳] اپاؤ۔ دوا علاج۔ تدبیر۔ مداوا۔ ایک لفظ اُپائے بھی ہی۔

جو میں ایسا جانتی پیت کیے دُکھ ہوے
نگر ڈھنڈھورا پھیرتی! پیت نہ کیجو کوے

(۳)
سحر سے شام تک صحرا میں پھرناون کو بن مارے — لگا کر شام سے تا صبح گننا رات کے تارے
لبوں پر آہ، دل میں داغ جوں آتش کے انگارے — جسے دل چاہتا ہو اُس کو کچھ پروا نہیں بارے
جب اُس کی ہی یہ مرضی ہو تو چپ بیٹھے ہیں بیچارے — مگر اُس کے تصوّر میں یہی کہتے ہیں: "اے پیارے
ز حالِ من کہ چوں نم بے رخت، داری خبر یا نہ؟ — دلِ من سوخت آیا در دلت باشد اثر یا نہ؟"

آہ دیئی کیسی بھئی ان چاہت کے سنگ
دیپک کے بھاویں نہیں، جل جل مرے پتنگ

(۴)
کبھی ہو کر گریباں چاک صحرا کو نکلتا ہوں — کبھی گھبرا کے پھر گھر کی طرف ناچار چلتا ہوں
لگی ہے آگ دل میں شمع ساں جل کر پگھلتا ہوں — دھواں اُٹھتا ہے آہوں کا، برنگِ موم گلتا ہوں
بِرَن میں دیکھ کر شعلہ بھڑکتے ہاتھ ملتا ہوں — بھبھوکے تن سے اُٹھتے ہیں ستی کی طرح جلتا ہوں
ز تابِ آتشِ دُوری کہ میسوزد دل و جاں را — نمودہ نبضِ من پُر آبلہ دستِ طبیباں را

برہ آگ تن میں لگی جرن لگے سب گات
ناری چھوُات بید کے پڑے پھپھولے ہات

(۵)
غضب ہے ایک تو سمجھے نہ دل، ورجی بھی گھبراوے — تس اُوپر ہر گھڑی اُس دلرُبا کی شکل یاد آوے
نہ ہو دل کیونکہ ٹکڑے ٹکڑے اور نہ جاں کس طور اُکتاوے — در و دیوار سے کیونکر نہ کوئی سر کو ٹکراوے؟
لگے جو آگ دل میں، پھر وہ بجھنے کس طرح پاوے؟ — مگر جس نے لگائی ہو وہی آ کر بجھا جاوے
چو در دل آتشِ دُوری فتد او را کہ بنشاند — مگر آنکس کہ آتش زد ہموں آبے بر افشاند

ہردے اندر دوں لگی، دُھواں نہ پرگھٹ ہوے
جا تن لاگے سو لکھے یا جن لائی ہوے

کہ پیت — کہ پیت — چھپ — پھپھولا

ہردا دل۔ دوں آگ۔ پرگھٹ ظاہر۔ لکھنا دریافت کرنا۔

(۶)

کھانتک کھائیے غم؟ اب تو غم کھایا نہیں جاتا
قدم رکھتا ہوں جس جا وہاں سے سرکایا نہیں جاتا
پڑا ہوں دشت میں رستہ کہیں پایا نہیں جاتا
مکان یار دور از من، نہ پر دارم نہ پا، ای دل

دل بیتاب کو باتوں سے بہلایا نہیں جاتا
یہ پتھر ہاتھ سے تل بھر بھی اُکسایا نہیں جاتا
جو چاہوں بھاگ جاؤں، بھاگ بھی جایا نہیں جاتا
عجب در مشکل اُفتادم چساں طے سازم این منزل

نا میرے پنکھ نہ پاؤں بل، ہیں اپنکھ، پیا دور
اُڑ نہ سکوں، گر گر پڑوں، رہوں بسور بسور

(۷)

اُدھر دل مجھ سے کہتا ہے کہ تو چل یار کے ڈیرے
جو کہنا دل کا کرتا ہوں تو وہ رہتا ہے گھر میرے
نہ دل مانے، نہ تن مانے، ہر اک اپنی طرف پھیرے
دلم دلدار مے جوید، تنم آرام مے خواہد

اِدھر تن مجھ کو کہتا ہے کہ "تو مت مجھ کو دُکھ دے رے"
وگر تن کی سنوں تو اور دُکھ پڑتے ہیں بہتیرے
کروں کیا میں؟ نظیر ایسی جو مشکل آن کر گھیرے
عجائب کشمکش دارم کہ جانم مفت مے کاہد

دل چاہے دلدار کو، اور تن چاہے آرام
دبدا میں دو ہو گئے، نہ مایا ملی نہ رام

نظم نمبر ۱۳۵

طلسم وصال

تضمین معشر

(۱)

نظر آیا مجھے اک شوخ ایسا نازنیں چنچل
ادا بھی چلبلی اور آن میں بھی کچھ عجب چھلبل
کبھی نظریں لڑاوے اور کبھی مکھڑے پہ لے آنچل
نگارے، گل عذارے، نو بہارے، ناز پیارے

کہ جس کی دیکھ کر سج دھج مرا دل ہو گیا بیکل
فسوں گر انکھڑیاں ظالم کی اور جن میں لگا کاجل
پڑا دُر کان میں جھلکے، گلے میں سج رہی ہیکل
دلآرامے، پری شکلے، بُتے، شوخے، دل آرامے

دیہ سمن تن اُوجری، مکھ نین چند لجائے
بھویں دھنکیں تان کیں، پلکیں بان چلائے

(۲)

مجھے اُس شوخ چنچل نے جب اپنا حُسن دکھلایا
دکھا کر اک نظر چلتا ہوا اور مجھ کو تڑپایا

گرا میں ہو کے بیخود یوں پری کا جیسے ہو سایا
پھر اُس میں ہوش جب آیا تو دل سینے میں گھبرایا

بہت سا اُس گھڑی میں نے تو اپنے دل کو سمجھایا
نہ مانا دل سے ہر گز ڈھونڈھتا ہی اِس کا ٹھہرایا

کشیدم نالہ از شوق پیراہن قبا کردم
برائے جستن او صبر و تسکیں را رہا کردم

بھینٹ بھئی جاتیں کہی نینن انسواں لائے
ہر کوئی ایسا مہنت جو پیتم مندر تبائے

(۳)

کہوں کیا اُس گھڑی یارو عجب احوال تھا میرا
ہر اک سے پوچھتا تھا ہر گھڑی اُس شوخ کا ڈیرا

طلب کی کثرتیں اور جستجو کا شوق بہتیرا
ادھر آہوں کی سوزش اور اُدھر اشکوں نے آگھیرا

کبھی تھی اس طرف جھانکی کبھی تھا اُس طرف پھیرا
جو کوئی پوچھتا تھا "کیوں میاں کیا حال ہے تیرا"

از و می گفتم "احوالم مپرس ای یار غم خوارم
خرابم، دلفگارم، بے قرارم، نو گرفتارم

الکن[۱] پھندے اُر پری اور من پھنس دینو روئے
درگن[۲] جادو ڈار کے سُدھ بُدھ دینی کھوئے

(۴)

ابھی یاں اک پری رو کر گیا ہے مجکو دیوانہ
مرا دل ہو گیا اُس شمع رو کو دیکھ پروانہ

پلایا اُس کی آنکھوں نے مجھے اُس می کا پیمانہ
نگہ نے کر دیا اُس کی مجھے اک پل میں مستانہ

لوں اک دم تو میں اپنا سناؤں اُس کو افسانہ
مکاں اُس کا تجھے معلوم ہے اے یار کچھ یا نہ

اگر دانی، چناں کن لطف تا بینم مکانش را
نہم سر بر درش، در شوق بوسم آستانش را

نیہ گرے کا ہار ہے ہوں تورے بلہار
مارت ہے موہے برہ دُکھ لیچل واکے ڈوار

(۵)

یہ سُن کر تھا وہ کہتا "میں تجھے اُس کا پتا دیتا
نہیں میں ساتھ جا کر تجکو اُس کا گھر بتا دیتا

ابھی لیجا کے تجھکو اُس کی ڈیوڑھی پر بٹھا دیتا
جو واں کے بیٹھنے کے طور ہیں وہ سب جتا دیتا

ادب سے جا کے اُس کے حلقۂ در کو ہلا دیتا
نکلتا جب تو خوبی سے تجھے اُس سے ملا دیتا

[۱] الکن زلف گیسو۔ [۲] درگن آنکھ نگاہ۔

ولیکن آں بتِ سرکش ز عاشق عار میدارد — رسیدن تا درش آساں نباشد کار میدارد"

پلک کٹاری مار کے، ہر دے رکت بہائے
کہو کی آئے سامرت[1] جو وا کے دوارے جائے"

(۶)
یہ باتیں کہہ کے تھا میرے بہت وہ دل کو بہلاتا — جو اُلفت میں جتاتے ہیں وہی تھا مجھکو بتلاتا
مگر مجھکو بغیر از دیکھنے کے کچھ نہ تھا بھاتا — کبھی تھا آہ کرتا اور کبھی تھا اشک بھر لاتا
کبھی دیوانہ بن کر سوے صحرا تھا نکل جاتا — دلِ شیدا کو اپنے تھا کبھی اِس طرح سمجھاتا
بہ بینم آخرش اور از من تا کی نہاں باشد — اسیرانِ محبت را کجا پرواے جاں باشد

نیہ نگر کی ریت ہے تن من دے ہو کھوے
پیت ڈگر جب پگ رکھا ہونی ہو سو ہوے

(۷)
وہ تھا یہ بات سُنتا جب مرا مُنہ دیکھ رہتا تھا — جو چلتا تھا تو وہ اپنی طرف کو ہاتھ گہتا تھا
مرا دل آتشِ فرقت میں اُس دل بر کی دہتا تھا — نہ تھا کچھ بن جو آتا اُس سے درد و رنج سہتا تھا
گریباں تک پڑا اشک اُس گھڑی آنکھوں سے بہتا تھا — وہ کہتا تھا: "ارے پھر جا" تو میں یوں اُس سے کہتا تھا
کشم آہ و نمایم گریہ و شام و سحر گردم — نہ بینم تا رُخش، از جستجو ہرگز نہ برگردم

پیتم سنے من موہ کے کینوں مان گمان
بن دیکھے وا روپ کے میری کر ھٹ پران"

(۸)
چلا واں سے میں اُس غمخوار کی باتوں سے گھبرا کر — یہی تھی آرزو دل میں کوئی بتلاے اُس کا گھر
پریشاں حال پھرتا تھا، کبھی ادھر کبھی اودھر — بتایا جب مکاں اُس کا تو بیٹھا ایک رستے پر
یکایک دیکھتا کیا ہوں کہ آ پہنچا وہیں دل بر — اُٹھا میں اور کہا یوں رکھ کے سر کو اُس کے قدموں پر
مرا مجروح کردی در نگہ ہم رُخ بپوشیدی — چہ تقصیرم کہ دل بُردی و حالِ من نہ پُرسیدی

من مورا بس کر لیو، کا ہے کینی اوٹ
ایسی مو تیں من ہرن کہا بن آئی کھوٹ"

[1] سامرت (یا سامرتھ) قابلیت طاقت۔

(۹۰)
کبھی یہ بات جب اُس شوخ سے میں نے بچشمِ نم — تو پہلے ناز میں وہ نازنیں مجھ سے ہوا برہم
لگا مجھ کو جھڑکنے اُس گھڑی تیوری چڑھا پیہم — پھر اُس میں رحم جو آیا تو ہنس کر یوں کہا اُس دم
تجھے زخمی جو کر آئے تھے اب تیغِ نگہ سے ہم — لگا دیں گے ترے ہر زخم پر اب لطف کا مرہم
نظیرؔ ایں حرف چوں گفت آں نگارِ دلستانِ من — غم از دل رفت و آمد شادمانیہا بجانِ من

سُن من میرو یا بات رَس بنت بھیو پرسند
نکسو دُکھ، من بیچ تے آن بھری آنند

نظم نمبر ۱۳۶
ترکیب بند

(۱)
اِدھر کو جس گھڑی اے ہمنشیں وہ یار آیا — ہمارے دل سے گئی بیکلی قرار آیا
اُسے جو مہر سے ہو ذرہ پروری منظور — تو پھر اِدھر کو جھکتا وہ مہروار آیا
مزاج اُس کا جو عاشق نواز ہی ہر دم — تو راہِ لطف پہ پھر وہ کرم شعار آیا
کسی نے دوڑ کے ہم سے کہا مبارک ہو — تمھارے پاس ہی وہ نازنیں نگار آیا
کسی نے گل کی طرح ہنس کے یوں کہا اکبر — بھلا ہوا کہ تمھارا بھی گل عذار آیا

خوشی یہ بولی تمھارے میں گردِ خاطر ہوں
اِدھر سے عیش پکارا کہ میں بھی حاضر ہوں

(۲)
گیا ملال ہوئے شاد ہم زمانے سے — ہوا ملاپ چھُٹے ہجر کے ستانے سے
نشاط جی کو ہوئی ہر طرف کے ملنے سے — سرور دل کو ہوا ہنسنے اور ہنسانے سے
ہوئی نمود وہ ساعت بھی انبساط بھری — کہ جس میں شاد ہوئے ہم بھی دل لگانے سے
ہر اک طرف سے ہوئی سو طرح کی خوشوقتی — نویدیں آئیاں عشرت کے کارخانے سے
سماتے پھولے نہیں پیرہن میں اب ہرگز — ہم ایسے شاد ہیں اُس گل بدن کے آنے سے

جہاں میں جس کو ملاقات یار کہتے ہیں

عجب بہار ہی اِسکو بہار کہتے ہین

(۳)

ہمارے دل میں جو فرقت کی بیقراری تھی — تو اُس کے ہاتھ سے صُورت عجب ہماری تھی
کبھی خیال رُخ و زلف کا سحر تا شام — کبھی تصوّرِ مژگاں سے دل فگاری تھی
نہ دل سے لگے تھا کسی شغل سے کوئی ساعت — نہ جاں کو جز المِ ہجر ہمکناری تھی
یہ اضطراب تھا ہر دم یہ اپنی بیتابی — ہمارے حال پہ سیماب کی بھی زاری تھی
خُدا کے فضل سے پھر اس مین خیر و خوبی سے — وہ دن بھی آیا کہ جس کی اُمید واری تھی

جو دیکھی بھر کے نظر گلعِذار کی صُورت
تو ہر طرف نظر آئی بہار کی صُورت

(۴)

عیان جو سامنے آ کر وہ گلعذار ہوا — تو عالم عیش کا پھر ایک سے ہزار ہوا
نگہ کو حُسن نے اُس گُل کے تازگی بخشی — خوشی قریب ہوئی، دُور انتظار ہوا
جُدا جو ہجر میں ہم سے قرار رہتا تھا — ہمارے دل سے وہ پھر آن کر دوچار ہوا
تسلی دل کو ہوئی اُس صنم کے ملنے سے — رخ اُس کا دیکھتے ہی رفعِ اضطرار ہوا
طلب تھی دل کے تئیں جس کی ایک مدت سے — ہزار شکر وہی عیش آشکار ہوا

نشاط و عیش کو خاطر سے ہمقرینی ہی
نیاز ناز ہی اور لُطف ہمنشینی ہی

(۵)

ہم اپنے دل کی خوشی کا بیان کرین کیا کیا — کہ ایک لحظہ یہ ٹھہرا ہی عیش کا نقشا
کبھی ہیں دیکھتے رُخسار یار کو ہنس ہنس — کبھی خوشی سے ہیں چھو لیتے اُسکی زلفِ دوتا
کبھی ہیں یار کی چشم و نگاہ سے پیتے — خوشی سے عیش کے بھر بھر کے ساغرِ صہبا
کبھی ہیں اُس کے تکلّم سے دل کو خوش کرتے — کبھی ہیں اُس کے تبسّم پہ جی سے ہوتے فدا
جو دیکھتا ہی ہمین اس طرح کی عشرت مین — تو یہ سخن وہ رہِ مُنصفی سے ہی کہتا:

"نظیرؔ تم نے جو حاصل یہ شادمانی کی

یہی بہار ہی بُستانِ زندگانی کی"

نظم نمبر ۱۴۷

واسوخت

(۱)
ای گُلِ تازہ کہ بوے زوفانیست تُرا
التفاتے باسیرانِ بلانیست تُرا
رحم بر بُلبلِ بے برگ و نوانیست تُرا
خبر از سرزنش خارِ جفانیست تُرا
ما اسیرِ تو واصلا غم مانیست تُرا
بر اسیرِ غم خود رحم چرانیست تُرا

فارغ از عاشقِ غمناک نمے باید بود
جانِ من این ہمہ بے باک نمے باید بود

(۲)
ہمچو گل چند بروے ہمہ خنداں باشی
آن زمان باد گران دست وگریبان باشی
زاں سیندیشں کہ از کردہ پشیمان باشی
ہمرہِ غیر بہ گلگشتِ گلستان باشی
جمع با جمع نہ باشند پریشان باشی
یادِ حیرانیٔ ما آری و حیران باشی

ما نباشیم کہ باشد کہ جفاے تو کشد؟
بجفا سازد و صد جور براے تو کشد؟

(۱۰)
شب بکاشانۂ اغیار نمے باید بود
ہمرہِ غیر بہ گلزار نمے باید بود
تشنۂ خونِ منِ زار نمے باید بود
ہمہ جا باہمہ کس یار نمے باید بود
غیر را شمعِ شبِ تار نمے باید بود
تا باین مرتبہ خونخوار نمے باید بود

من اگر کشتہ شوم باعث بدنامیٔ تُست
موجبِ شہرتِ بے باکی و خودکامیٔ تُست

(۴)
دیگرے جُز تو مرا این ہمہ آزار نہ کرد
آنچہ کردی تو بمن ہیچ ستمگار نہ کرد
ہیچ کس این ہمہ آزارِ منِ زار نہ کرد
چون تو کس در نظرِ خلق مرا خوار نہ کرد
این ستمہا دگرے با منِ بیمار نہ کرد
ہیچ سنگین دلِ این کار بمن کار نہ کرد

ث
دے

گزر آزردن من ہست غرض مُردنِ من
مُردم، آزار مکش از پئی آزردنِ من

(۵)
جانِ من سنگدلی، دل بہ تو دادن غلط است
بسرِ راہِ تو چون خاک فتادن غلط است
رفتن اولی ست زکوی تو نشادن غلط است
چشمِ اُمید بروے تو کشادن غلط است
روے ترکردہ بروے تو نہادن غلط است
جانِ شیرین بہ تمنّاے تو دادن غلط است

چون نہ دانی کہ غمِ عاشق زارت باشد
چون شود خاک بران خاک گذارت باشد

(۶)
مُدّتے ہست کہ مے دانم و تدبیرے نیست
از غمت سر بگریبانم و تدبیرے نیست
از براے تو پریشانم و تدبیرے نیست
ہمچو زُلفِ تو پریشانم و تدبیرے نیست
چون دلِ رفتہ ز دامانم و تدبیرے نیست
چہ توان کرد کہ حیرانم و تدبیرے نیست

شرحِ درماندگی خود بہ کہ تقریر کنم
عاجزم، چارۂ من نیست بچہ تدبیر کنم

(۷)
نخلِ نوخیزِ گلستانِ جہان بسیار است
یا لبِ ہمچو شکر تنگ دہان بسیار است
جانِ من ہمچو تو غارتگرِ جاں بسیار است
گلِ این باغ و چمن سرو روان بسیار است
ترکِ زرین کمر و موے میان بسیار است
نہ کہ غیر از تو جوان نیست، جوان بسیار است

دیگرے این ہمہ آزار بہ عاشق نکند
قصدِ آزردنِ یارانِ موافق نکند

(۸)
مُدّتے شد کہ در آزارم و مے دانی تو
از غمِ عشقِ تو بیمارم و مے دانی تو
از براے تو چنین زارم و مے دانی تو
بکمندِ تو گرفتارم و مے دانی تو
خونِ دل از مژہ مے بارم و مے دانی تو
چہ توان کرد در آزارم و مے دانی تو

تا بہ کے از ستم و جورِ تو دل خون باشم

از مژہ خونِ جگر ریزم و محزوں باشم

(۹)
مکن آن طور کہ شرمندہ شوم از خُویت
دیدہ پوشم ز تماشاے رُخِ نیکویت
دست بر دل نہم و پاے کشم از کُویت
نکنم بارِ دگر یادِ قدِ دل جُویت
سُخنے گویم و شرمندہ شوم از رویت
گوشۂ گیرم و من بعد نیایم سُویت

بشنو پند، مکن قصدِ دل آزردۂ خویش
ورنہ بسیار پشیماں شوی از کردۂ خویش

(۱۰)
چند صبح آیم و از خاک درت شام روم
بسرِ راہِ تو آیم، نہ شوی رام، روم
دُور دُور از تو منِ تیرہ سرانجام روم
از سرِ راہ تو چون خاک بناکام روم
صد دُعا گویم و آزردہ بہ دشنام روم
بنود زہرہ کہ ہمراہِ تو یک گام روم

کس چرا این ہمہ سنگین دل و بدخو باشد؟
جانِ من این روشے نیست کہ نیکو باشد

(۱۱)
از چہ با من نہ شوی یار، چہ مے پرہیزی؟
حرف زن اے بتِ خونخوار، چہ مے پرہیزی؟
نہ حدیثے کنی اظہار، چہ مے پرہیزی
یار شو با من بیمار، چہ مے پرہیزی؟
کیست مانع زمنِ زار، چہ مے پرہیزی؟
نہ کُشا لعل شکر بار، چہ مے پرہیزی؟

کہ ترا گفت کہ با من ز وفا حرف مزن؟
چین برابرو زن و یک بار با حرف مزن

(۱۲)
دردِ من کُشتۂ شمشیر بلا مے داند
پاک بازم ہمہ کس طورِ مرا مے داند
مسکنم ساکنِ صحراے فنا مے داند
سُوزِ من سوختۂ داغِ جفا مے داند
عاشقے ہمچو منت نیست، خُدا مے داند
ہمہ کس حالِ من بے سروپا مے داند

چارۂ من کن و مگذار کہ بے چارہ شوم
سرِ خود گیرم و از کوے تو آوارہ شوم

(١٣)

از سر کوے تو با دیدهٔ تر خواہم رفت
تا نظر مے کنی از پیش نظر خواہم رفت
گر نہ رفتم ز درت شام و سحر خواہم رفت
چہرہ آلودہ بخون ناب جگر خواہم رفت
نکہ این بار چو ہر بار دگر خواہم رفت
روے باز آمدنم نیست اگر خواہم رفت

از جفاے تو من زار برفتم رفتم
لطف کن لطف کہ این بار برفتم رفتم

ردیف الف
نظم نمبر ١٣٨
جُدائی

(١)

جہاں مین نام تو سُنتے تھے ہم جُدائی کا
دیا فلک نے ہمیں بھی یہ ستم جُدائی کا
دلے نہ دیکھا تھا درد و الم جُدائی کا
بُرا ہی مرگ سے ایک ایک دم جُدائی کا

غضب ہی قہر ہی یار و ستم جُدائی کا
خُدا کسی کو نہ دکھلاوے غم جُدائی کا

(٢)

گھڑی گھڑی مین تڑپ کر اُٹھے ہی دل سے آہ
جو کوئی شکل مری دیکھتا ہے اب واللہ
جگر کے ٹکڑے نکلتے ہین اشک کے ہمراہ
یہی کہے ہی وہ سینے سے سرد بھر کر آہ

غضب ہی قہر ہی یار و ستم جُدائی کا
خُدا کسی کو نہ دکھلاوے غم جُدائی کا

(٣)

سے مجھے نہ کیونکہ مرے دل مین داد اور بیداد
نہ جی کو چین، نہ آنکھوں کو سکھ، نہ دل ہی شاد
کہ تھے جو عیش و طرب سب وہ ہو گئے برباد
بھلا مین کس سے اب اس ظلم کی کروں فریاد

غضب ہی قہر ہی یار و ستم جُدائی کا
خُدا کسی کو نہ دکھلاوے غم جُدائی کا

(٤)

کبھی تو یار کے آنے کی راہ تکتا ہوں
گلی مین اُس کی کبھی جا کے سر پٹکتا ہوں

کبھی دِوانا ہو جنگل مین جا بھٹکتا ہون　　نکلتی جان نہیں اور پڑا سسکتا ہوں

غضب ہی قہر ہی یارو ستم جدائی کا
خُدا کسی کو نہ دکھلاوے غم جدائی کا

(۵)
نہ تن سے جان نکلتی ہی اب جو صبر آوے　　نہ دل مین زور رہے ہے جو تاب صبر کی لاوے
نہ موت آوے نہ یار آکے مُنھ کو دکھلاوے　　یہ حال ہو تو کوئی آہ پھر کدھر جاوے

غضب ہی قہر ہی یارو ستم جُدائی کا
خُدا کسی کو نہ دکھلاوے غم جُدائی کا

(۶)
پھروں ہوں دشت و بیاباں میں رات دن غمناک　　جلاتا آہ کے شُعلے سے سب خس و خاشاک
خراب حال جگر خستہ اور گریباں چاک　　یہ جس پہ آن پڑے غم وہ کیا جیے پھر خاک

غضب ہی قہر ہی یارو ستم جُدائی کا
خُدا کسی کو نہ دکھلاوے غم جُدائی کا

(۷)
مری جو چشم سے دن رات آنسو بہتے ہین　　تو جان و دل مرے کیا کیا عذاب سہتے ہین
جو آشنا ہین مرے مجھکو دیکھ رہتے ہین　　سب اپنے حیف سے مل مل کے ہاتھ کہتے ہین

غضب ہی قہر ہی یارو ستم جُدائی کا
خُدا کسی کو نہ دکھلاوے غم جُدائی کا

(۸)
جو میکدے کی طرف کو کبھی کروں ہوں گذار　　تو دیکھ مجھکو پریشان خراب و خستہ و خوار
پیالہ چشم کا آنسو سے بھر بھر اک میخوار　　جگر سے کھینچے ہی آہ اور یہی کہے ہی پکار

غضب ہی قہر ہی یارو ستم خدائی کا
خُدا کسی کو نہ دکھلاوے غم جُدائی کا

(۹)
کبھی چمن کو جو گھبرا کے ہوں نکل جاتا　　تو واں بھی ہاے ذرا دل نہیں ہی ٹھہراتا
جدھر کو جاؤں اُدھر غم جگر کو ہی کھاتا　　عجب خرابی ہی کچھ ہاے بن نہیں آتا

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلاوے غم جدائی کا

(۱۰)
جو کوئی ہجر میں روتا تھا عاشق محروم، میں ہنس کے کہتا تھا دل میں عبث یہ ہے مغموم
مچی جو مجھ پہ بھی آکر فراق کی یہ دھوم، وہ اُس کا درد مجھے ہائے اب ہوا معلوم

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلاوے غم جدائی کا

(۱۱)
جو کوئی پوچھے ہے کیا تجھ پہ دکھ پڑا ایسا؟، کہ جس سبب سے تو پھرتا ہے اس قدر شیدا
میں اُس کو جس گھڑی دیتا ہوں اپنا حال سُنا، تو بھر کے آنکھوں میں آنسو یہی وہ ہے کہتا:

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلاوے غم جدائی کا

(۱۲)
نہ بھوک لگتی ہے، نہ نیند مُنھ دکھاتی ہے، جو دن پیے ہے لہو، رات مجھکو کھاتی ہے
نہ دل لگی، نہ کوئی چیز مجھکو بھاتی ہے، کلیجا ٹوٹے ہے، اور چھاتی اُمڈی آتی ہے

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلاوے غم جدائی کا

(۱۳)
نہ سُدھ ہے سیر کی مجھکو نہ انجمن کی خبر، نہ یاد باغ کی ہے، اور نہ شہر و بن کی خبر
نہ دھیان جسم کا، اور کچھ نہ پیرہن کی خبر، نہ ہوش دل کا ہے، نہ مجھکو تن بدن کی خبر

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلاوے غم جدائی کا

(۱۴)
جو مجھ پہ آن پڑا دن سیاہ مت پوچھو، ہوا ہوں ہجر میں ایسا تباہ مت پوچھو
سوائے مرگ نہیں اب نباہ مت پوچھو، جو ظلم مجھ پہ گذرتا ہے آہ مت پوچھو

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا

خُدا کسی کو نہ دکھلاوے غم جُدائی کا

(۱۵)
جُدائی ہاے محبّت کی کیا بُری ہی شی
کہ دل نہ بزم میں بہلے نہ خوش لگے ہی مَی
نظیر ہجر کے اب غم کو رو ئیے تا کی
بہت بُرا ہی یہ عاشق کے حق میں دُکھ اہی ہی!
غضب ہی قہر ہی یارو ستم جُدائی کا
خُدا کسی کو نہ دکھلاوے غم جُدائی کا

نظم نمبر ۱۳۹
جوشِ جُنون

(۱)
کروں احوال کا اپنے بیاں کیا تُجھ سے میں یارا
مرا جی نقدِ دل جس دن بساطِ عشق میں ہارا
پھرا از بس جو کوہ و دشت میں راتوں کو آوارا
سحر آیا جو ہیں میں کُلبۂ احزاں میں بیچارا
وہیں یکبارگی جوشِ جنوں نے دل کو للکارا

(۲)
کہ بس کیا کر چکا عُمر اپنی صرف ای شُعلۂ آتش
دیا آیا تری گرمی میں حرف ای شُعلۂ آتش
نہیں نالا تو ہی دریاے ژرف ای شُعلۂ آتش
پڑا ہی کیا فسردہ مثل برف ای شعلۂ آتش
بہار آئی دکھا گر تجھ میں ہی کُچھ قوّت دیارا

(۳)
یہ سُنتے ہی بھبوکا ہو گیا دل طیش میں آگر
لیا ایک ایسا چکّر جسطرح پھرتا ہی گھن چکّر
کنار و جیب کی سب دھجّیاں کر ڈالیں سرتا سر
اُڑا کر گرد ملکر خاک نکلا گھر سے پھر باہر
پڑھا یہ بند اور ہُو کر کے نعرہ آہ کا مارا

(۴)
چناں اکنوں زخود رفتم نمیدانم کجا ہستم
برنگِ جاں زراہِ او گذشتم از کہ پیوستم
زرہ بگرفت اکنوں این زماں شورِ جنوں و ستم
ہجومِ محشرم ہنگامہ ام دیوانہ ام مستم
نہ از پا مے شناسم سر نمیدانم ز سر پارا

(۵)
یہ پڑھتے ہی ہوئی پھر تو جُنوں کی اَور سرسائی
عجب دیوانہ پن کی آ کے موج آنکھوں میں لہرائی
جو ہیں دریاے دل نے آ کے پھر چلنے کی ٹھہرائی
قضا نے لا وہیں اک اس قدر زنجیر پہنائی

کہ جس کے غُل کا پہنچا عرش کے کانوں میں جھنکارا

(۶)
خدا جانے اُڑا لائی قضا جا کر کہاں سے وہ ۔۔۔ زمیں سے نکلی کا فریا کہ اُتری آسماں سے وہ
نرالی تھی غرض ای یار وُ زندانِ جہاں سے وہ ۔۔۔ گھسٹتی دور تک جاتی تھی اِس شور و فغاں سے وہ
مگر گرجا زمیں پے رعد کی نوبت کا نقارا

(۷)
گریباں چاک، سر عُریاں، پریشاں مُو، برہنہ پا، ۔۔۔ جگر میں شورِ محشر، اور زباں اُوپرا ہاہاہا
لگا پھرنے جو ہیں شُعلہ ہر اک کے گھر میں ہر اک جا ۔۔۔ محلّے میں پڑا غُل دوڑیو چلیو غضب آیا
دِوانہ ہو گیا ہی پہلواں، یارو جنوں مارا

(۸) خرابیِ دیر
مچا بیداد و فریاد اس قدر اور الاماں جب واں ۔۔۔ کوئی بھاگا کہیں جاکر، ہوا کوئی کہیں پنہاں
تو پھر اس حال سے آخر نکلکر واں سے سرگرداں ۔۔۔ گیا اک دیر میں اور واں جو لعبت کر اُٹھے ہاں ہاں
تو نکلا واں سے گھبرا کر بتوں کا باندھ پُشتارا

(۹) ویرانیِ مسجد
عجب عالم ہوا اُس دم کہیں ہُو حق، کہیں ہُو ہا ۔۔۔ اسی انبوہ سے جا کر پھر اک مسجد کو جا گھیرا
مؤذن بھاگے اور عابد چھُپے حجروں میں اپنے جا ۔۔۔ مصلا پھاڑ، شجرے توڑ، لوٹے پھوڑ کر اُسجا
اکئی زاہد کچل ڈالے کیا واعظ کا سر پارا

(۱۰) بتاریِ میکدہ
جنوں نے پھر کڑک اور تھرتھرا کر واں سے مارے پر ۔۔۔ تو آ پہنچا اسی عالم میں اک میخانہ کے اوپر
مغاں و مغبچہ بھاگے شرابی کانپ اُٹھے تھرتھر ۔۔۔ خم و قرابہ مینا و ساغر توڑ کر یکسر
زمین میکدہ سب مے سے کردی خون کا گارا

(۱۱) پامالیِ چمن
چمن کے دیکھنے کی پھر ہوئی اس جا سے تیاری ۔۔۔ کچل مارے تمامی پھول پھل اور تختہ و کیاری
ستم یہ دیکھ اک آتش زدی بُلبل جو جھنکاری ۔۔۔ تو لی پھر راہ جنگل کی نکل اس طور یکباری
بگولا باد کا، یا برق، یا آتش کا انگارا

(۱۲) سیرِ صحرا
فضا دیکھی جو صحرا کی تو زنجیریں کترا ڈالیں ۔۔۔ بلند و پست میدانوں کی سب گردیں اُڑا ڈالیں
ہجوم جوش سے ہر کوہ کی کمریں ہلا ڈالیں ۔۔۔ تو پھر اس کوہ و صحرا میں عجب دُھومیں مچا ڈالیں

کبھی فرہاد کو گھیرا کبھی مجنوں کو جا مارا

(۱۳) جوشِ رقت
چلا ایسا ہوا کا آسمان سے آ کے اک جھوکا — کہ اس شورِ جنوں کا آہ سب عالم گیا گذرا
چڑھا اس جوش سے آنکھوں میں آ گر اشک کا دریا — کہ لڑیاں بن کے کافر ہر سرِ مژگاں سے یوں اچھلا
گویا چھوٹا ہزارا ساون اور بھادوں کا فوارا

(۱۴)
گھٹا اُمڈی جنوں کی اور دھواں آہوں کا آ گھمڈا — کڑک نالے کی بجلی نے پھر اس عالم کو چمکایا
تماشا دیکھنے کو اُس گھڑی اک عالم آ اُمڈا — لگا یوں مینھ برسنے ہر طرف لڑکوں کے پتھروں کا
پڑے ہیں جیسے جھڑیاں باندھ کر اولوں کا بوچھارا

(۱۵) نکلی
بڑھا پھر تو جنوں کے جوش کا اس جوش پر ساماں — جبھی سے کھل گئی شورِ قیامت کی بھی اگر وہاں
پڑے تھے اشک کی فوجوں سے نالوں کے نشان اور یاں — نقیبِ آہ کہتا تھا بڑھے جانا ٹک اے یاراں
کوئی پامال ہو جاوے تو پھر اپنا نہیں چارا

(۱۶)
زمیں سے آسماں تک بندھ گیا ایسا سماں آ کر — ہجومِ خلق سے چیں بھیں مچی ہر کوٹھے کوٹھے پر
وحوش و طیر نکلے کانپ اُٹھے دیوار و در تھر تھر — ہوا سناٹے لیتی تھی فلک کو آ گیا چکر
تماشا دیکھیں تھیں حوریں ملک کرتے تھے نظارا

(۱۷) کیں کیں
عجب دیوانگی نے پھر تو کیں گہری ملاقاتیں — کبھی دائیں کبھی بائیں دکھائیں زور ہی گھاتیں
اٹھا اوپر تو کر آیا فلک کے کان میں باتیں — کھڑا رہتا تو پڑتی تھیں زمیں کے فرق پر لاتیں
جو چلتا تھا تو پھر پامال تھا کیا سنگ کیا خارا

(۱۸)
میاں پھر تو جنوں کے بندھ گئیں وہ اس قدر چھائیں — کہ ٹھٹھ کے ٹھٹھ ہوئے خلقت کے اور بند ہو گئیں راہیں
جو اُس میں کوچۂ دلدار کی دل کو ہوئیں چاہیں — تو لے بھاگا جنوں وا نفسے گلے میں ڈال کر باہیں
لے آیا وہاں کہ تھا جس جا وہ برجِ حسن کا تارا

(۱۹)
کیا اگر جنوں نے دل کا واں یہ غلغلہ برپا — کہ بن کر آگ اور خس بس جلایا گھر رقیبوں کا
نہ وہ انبہ رہا نہ وہ مزا نہ دھوم نہ چرچا — نظیر آیا جو ہیں پھر ہوش میں تو کہہ کے یہ بولا

کہ آخر ہر کمالے را زوالے می شود یارا

نظم نمبر ۱۴۱

دید بازی

(۱) دید بازی اس کو زیبا ہو جو اسنے روپ بھر سکے

پھبتا ہی اُس کو یار، دم عاشقی کا بھرنا
جس گھاٹ حسن اُترے اُس گھاٹ ہی اُترنا
ہو یاد جس کو سو سو گل پھول کا کترنا
جس ڈھب کا حسن دیکھا اُس ڈھب ہی گزرنا

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

(۲) پہلوان

دیکھا جو حسن بھاری تہمہ زور یا جبّاڑا
ڈنڈ پیل بھان مگدر ، لیزم سے خم کو جھاڑا
تو پہلوان بن کر کھو دا وہیں اکھاڑا
اس پیچ سے ہی گل کو وہ ٹھے کو دھر پچھاڑا

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوبان کی دید کرنا

(۳) لکڑی بازی

جو حسن تھا چمکتا قاتل کا مثل کتّا
بانک اور پٹا ہلایا محنت سے ہو کے لتّا
تو لکڑی باز بن کر پھینکا پھری بھی گتکا
راوت ہی بنکے مارا اُسپر بھی اپنا ہتا

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوبان کی دید کرنا

(۴) بانکے

دیکھا جو حسن بانکا تو بن کے ٹیڑھے بانکے
کر خانہ جنگی اُس سے کھائے بدن پہ ٹانکے
تیغ و سپر پہ تنچے باندھے ہین سب جہان کے
ٹانکے تو کھائے لیکن پھنکے بھی خوب پھانکے

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوبان کی دید کرنا

(۵) مصوّر

تصویر سی کسی کی صورت جو وی دکھائی
تو بن کے پھر مصوّر تصویر ہی بنائی

پہلتا

لہ جبّاڑا جبّار کی بگڑی ہوئی شکل ہو - زبردست قہّار شان جبّاری دکھانے والا - جبر ظلم سے کام نکالنے والا -

گلیوں میں سیر دیکھی، میلوں میں جا لگائی — اس شکل سے ہی اکثر کی حُسن کی کمائی

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و رُوپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

(۶) کبوتر باز

لٹّو کی طرح دل کو جس حُسن نے مروڑا — تو پال کر کبوتر اُس سے ہی دل کو جوڑا
دکھلا لکھی کا پٹھا، یا شسترو کا جوڑا — کیسا ہی پرگھڑا[۱] تھا پر مُوٹھ سے نچھوڑا

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و رُوپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خُوباں کی دید کرنا

(۷) لعل باز

دیکھا جو حُسن، یارو، جوں لعل یا انگارا — تو لعل چٹّی کا ہی پھر پالنا بچارا
کل یا کہ جال روکا اور لعل کو اُتارا — اُس لعل کے ہی ڈھب میں اس پر بھی جال مارا

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و رُوپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خُوباں کی دید کرنا

(۸) پنجرہ ساز

بازاری حُسن دیکھا تو کر کے دل نگاری — پنجرے بنائے خاصے، رنگیں، ہلکے بھاری
ڈالے ہنڈولے اُس میں رنگین زرنگاری — اُن پنجروں ہی میں کرلی اپنی دُکانداری

ہلکے بھاری

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و رُوپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خُوباں کی دید کرنا

(۹) کیمیا گر

اچھّا لگا جو دل کو سیمیں بدن پیارا — تو کیمیا گری کا پھر ٹھکھڈ کا سنوارا
دکھلا کے چاندی سونا، جیسے چمکتا تارا — پارا بھی تھا تو اُس کو اس ڈھب میں مار اُتارا

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و رُوپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خُوباں کی دید کرنا

(۱۰) باہمن

جمنا پہ جبکہ دیکھے اس حُسن کے تناپے — تو بن کے باہمن اُس چاچھاپے تلک بھی چھاپے

[۱] پرگھڑا دو ڈھائی برس کے کبوتر کو کہتے ہیں۔ یہ بھی لڑا ہوتا ہو مگر صرف دو ایک اڑائی۔

چندن دکھا کے ہر دم درپن دکھا کے بھاپے
اُس گھاٹ پر بھی آخر اپنے ہی چھاپے چھاپے

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

(۱۱) جادوگر

جادو جو حسن دیکھا تو سیکھے جادو ٹونے
بیروں کے تئیں جگا کے بٹھایا کونے کونے
پڑھ کھوپری کے کاجل چانول سندور مونے
جادو میں دیکھ ڈالے کافر کئی سلونے

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

(۱۲) شاعر پیشہ

دیکھا جو حسن قابل تو ریختہ بنائے
کچھ مکریاں بنائیں اور کچھ کبت بنائے
سکھیوں کی بحث ڈالی اور کھنڈ بھی جگائے
جب جھولنے بنائے پھر تو مزے اُڑائے

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

(۱۳) ریچھ والا

جو حسن شیر دیکھا تو ریچھ کو نکالا
اور بن کے ریچھ والے سونٹا کڑا سنبھالا
کشتی سے کھڑکھڑایا اور آپ کو اچھالا
اُس ریچھ سے بھی کتنے گُل رو کو دیکھ ڈالا

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و رُوپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

(۱۴) بندر والا

کھڑکی کا حسن دیکھا تو پھر نچا کے بندر
بکرا بھی لا اٹھایا اس کام کا سمندر
جب ڈگڈگی بجائی کوچہ گلی کے اندر
لڑکے ہزاروں بولے آؤ میاں قلندر

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

(۱۵) رنگ بھریا

پایا جو رنگ بھولا تو بن کے رنگ بھریے
چھلّے انگوٹھی ڈھالے سانچے کر کے بھریے
بولا کوئی تو اُس میں کچھ تو خدا سے ڈریے
تو اُس سے ہنس کے کہنا کچھ بات یاں نہ کریے

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و رُوپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خُوباں کی دید کرنا

(۱۶) سنپیرا
دیکھا جو حُسن کوئی بلدار لہر کھایا
تو بِین بجا کے ہر دم سانپوں کا پھن ہلایا
تو بن گئے سنپیرے اور سانپ کو چلایا
اُس سانپ کے ہی فن سے اپنا بھی مَن منایا
(فن بنایا)

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و رُوپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خُوباں کی دید کرنا

(۱۷) سیانا
دیکھا جو حُسن سرکش سیانے ہی ہو پکارے
پھونکی چڑیل خندی دیووں پہ ہاتھ مارے
دھُونی فلیتے لکھے اور بھُوت جن اُتارے
اک چھوئے منترا میں کیسے کیے نظارے

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و رُوپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خُوباں کی دید کرنا

(۱۸) لڑکے بہلانے والا ؟
جو حُسن بالا دیکھا تو گڑیاں بنائیں
کچھ چِنیاں منگائیں کچھ تیلیاں نچائیں
ڈبیوں میں ڈال مکھی اور مکڑیاں لڑائیں
ان تپلیوں کی خاطر کیا پُتلیاں لڑائیں

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و رُوپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خُوباں کی دید کرنا

(۱۹) ؟
ہر اک پلنگ اُتارا شیشے میں جڑ کے ماشا
مولی کا ہنس بگلا گاجر کا مور باشا
لکڑی کے پھول کترے اور سنگترہ تراشا
دیکھا ہر اک بہانے اس حُسن کا تماشا

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و رُوپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خُوباں کی دید کرنا

(۲۰) کنجڑا دال ... والا ۔ مالی
سیلوں میں آم جامن سیب و انار بیچے
لگا اُٹھوا ... جا چبینے نقد و اُدھار بیچے
سیروں میں دال موٹھیں پاپڑ اچار بیچے
چکلوں میں بن کے مالی پھولوں کے ہار بیچے

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و رُوپ بھرنا

عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

(۲۱) سیتلا والا

گر آپڑی کسی دن کچھ سیتلا بُرائی
پھر بن گئے پجاری کر حُسن کی دُہائی
تو پیچکر بچایا کی دل کی سر برائی
اُس سیتلا کی مت میں اپنی ہی مت گنوائی

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و رُوپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں دید کرنا

(۲۲) جوگی-چیلے-آزاد-بینوا

ہولی کی پھر بہاریں آپہنچیں دائیں بائیں
آزاد و بینوا ہو پھر کیں ندا صدائیں
تو بن کے جوگی چیلے باندھیں عجب ہوائیں
اُس حال قال ہی سے دیں حُسن کو دُعائیں

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و رُوپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

(۲۳) بٹیر-طوطے-بگلے-بئے-گلہری والا

خُوبی کا لہر کھاتا دیکھا جو حُسن لہری
کی بات وہی جو کچھ اُس کے پسند ٹھہری
پالے بٹیر طوطے، بگلے، بئے، گلہری
اُس لہر کی بھی دیکھی کیا کیا بہار گہری

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و رُوپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

(۲۴) دیوانہ بکار خویش ہشیار

دیکھا جو حُسن سیانا تو بن گئے دِوانے
لڑکوں کے سنگ کھانے اور شور غُل مچانے
لاگے ہر اک کو اپنے دیوانہ پن جتانے
دیکھے ہزار جھگڑے آخر اسی بہانے

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و رُوپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خُوباں کی دید کرنا

(۲۵) منہیار

دیکھی جو نرم و نازک اس حُسن کی کلائی
بیچے بہت کھلونے اور جوبن ہر آئی
منہیار بن کے چُوڑی ہاتھوں میں کھن کھنائی
آخر بھکاری بن کر کی حُسن کی گدائی

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و رُوپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خُوباں کی دید کرنا

(۲۰۶) جا عاشق بہروپیا ہے

لازم ہے اُس کو یار، عاشق وہی کہاوے
بہروپیا بھی اپنا بہروپ بھول جاوے
جو اس طرح کی گھاتیں کرحسن کو بڑھاوے
آگے نظیرؔ کیا کیا عاشق کی دھن بتاوے
سو مکر و فن بنانا سورنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

نظم نمبر ۱۴۱

خمسہ

اپنی غزل پر

(۱)
مری بغل میں جو وہ گلعذار ہوتا تھا
خوشی ہو مُنھ سے مُنھ اور لب سے لب ملوتا تھا
نہال عیش کے دل کے چمن میں بوتا تھا
لپٹ لپٹ کے میں اُس گل کے ساتھ سوتا تھا
رقیب صبح کو مُنھ آنسوؤں سے دھوتا تھا

(۲)
وہ تھا جو پاس تو کیا کیا خوشی کی راتیں تھیں
مزے کی چٹکیاں چنچل پنے کی باتیں تھیں
کنار و بوس تھے عیش و طرب کی گھاتیں تھیں
تمام رات تھی اور کہنیاں ولاتیں تھیں
نہ سونے دیتا تھا مجھکو نہ آپ سوتا تھا

(۳)
کچھ آگے چاہ نئی کے بھی آہ کیا دن تھے
خوشی سے پیار سے ہنس ہنس کے گفتگو کرتے
کہ دونوں ہر کہیں چھپ چھپ کے بیٹھتے اٹھتے
جو بات ہجر کی آتی تو اپنے دامن سے
وہ آنسو پوچھتا جاتا تھا اور میں روتا تھا

(۴)
کسی طرح سے نہ تھی راہ دل میں کینے کو
گلے لپٹتے تو کیا اک بار گرتے سینے کو
نہ جانتے تھے قرینے نہ بے قرینے کو
مسکتی چولی تو لوگوں سے چھپکے سینے کو
وہ تاگے بٹتا تھا اور میں سوئی پروتا تھا

(۵)
جو لگتی شوخ کے تلوے میں گدگدی کم کم
مچل کے ہنس ہنس کے چھڑاتا قدم کو ہر اک دم
تو چین مروڑ چڑھاناک اور بھویں کم خم
غرض دکھانے کو آن وادا کے سو عالم

وہ مجھ سے پانوں دُھلاتا تھا اور میں دھوتا تھا

(۶)
مرے تو دل سے نہیں بھولتا ہے وہ عالم
گھڑی مچل گھڑی شوخی گھڑی میں دھوم دھپ دھم
کہ جب پلنگ پہ مرے پاس لیٹتا باہم
لٹا کے سینے پہ چنچل کو پیار سے ہر دم

میں گدگداتا تھا ہنس ہنس وہ ضعف کھاتا تھا ہوش کھوتا

(۷)
نہ ہووے کیونکہ مرا دامن و گریباں تر
تو گرم و سرد کی تکرار ناز سے کر کر
کہ پانی مجھ سے منگاتا جو وہ پری پیکر
وہ مجھ پہ پھینکتا پانی کی کُلیاں بھر بھر

میں اُس کے چھینٹیوں سے تو پیرہن بھگوتا تھا

(۸)
پڑے نہ کیونکہ مجھے کام اشک گلگوں سے
کبھی اُگلوں سے کبھی ڈالیوں کی چھڑیوں سے
کہ جا کے باغ میں ہم کھیلتے تھے پھولوں سے
نہانے جاتے تو پھر آہ کرتی چھینٹوں سے

وہ غوطے دیتا تھا اور میں اُسے ڈبوتا تھا

(۹)
اُٹھے نہ کیونکہ مرے دل سے آہ کا شعلا
کہاں وہ عیش کہاں دل ہے اور کہاں وہ مزا
کہ اس طرح کا ہزاروں میں یار ہے ملتا
ہوا نہ تجھ کو خمار آخر اُن شرابوں کا

نظیر آہ اسی روز کو میں روتا تھا

نظم نمبر ۱۴۲

خمسہ

(۱)
کیا تو نے حال اُس سے مرے درد کا کہا
رنجِ فراق کچھ نہ کہا تو نے یہ کہا
اور میرے انتظار کا کیا ماجرا کہا
قاصد صنم نے خط کو مرے دیکھ کیا کہا

حرف عتاب یا سخن دل کُشا کہا

(۲)
آتا ہے ہول اب تو مرے دل میں ہو بہو
جس جس طرح کی باتیں ہوئیں تیرے روبرو
صبر و قرار ہوتے ہیں خاطر سے ایک سو
تجھ کو قسم ہے کیجو نہ پوشیدہ مجھ سے تو

کہیو وہی جو اُس نے مجھے برملا کہا

(۳)
میں تو کمال ہجر میں ہوں اُس کے بیقرار
جلدی سنا مجھے جو ہوا کچھ بہ آشکار
دن رات اُس کے آنے کا رکھتا ہوں انتظار
قاصد نے جب تو سن کے کہا کیا کہوں میں یار
پہلے مجھی کو اُس نے بہت ناسزا کہا

(۴)
ماتھا ہوا مرا عرق شرم بیچ نم
غصے کی باتیں کہ چکا جب مجھ سے وہ صنم
سُنتا رہا میں اُس نے کہا جو بیش و کم
پھر تجھ کو سو عتاب سے جھُنجھلا کے دمبدم
کیا کیا کہوں میں تجھ سے کہ کیا کیا بُرا کہا

(۵)
سرنامہ خط کا دیکھتے ہی کھا کے پیچ و تاب
اور یہ کہا کہ جا بے یہی خط کا تھا جواب
نامے کو دور پھینک دیا ہو کے پر عتاب
اس کا مزا چکھاؤں گا جا کر اُسے شتاب
رہ رہ اسی سخن کے تئیں بارہا کہا

(۶)
میرے جو ہوش سُنتے ہی اس بات کے اُڑے
آیا ہوں پر شتاب خبر کرنے کو تجھے
گھبرا کے جلد میں نے قدم راہ میں رکھے
میری تو کچھ خطا نہیں تو ہی سمجھ اسے
بیجا کہا یہ اُس نے تجھے یا بجا کہا

(۷)
تجھ پر تو اُس نگار کی خو بو تھی سب عیاں
اب آن کر کرے گا وہ کیا کیا خرابیاں
کیوں نامہ لکھ کے تو نے کیا درد دل بیاں
کہتا تھا میں تجھے کہ نہ بھیج اُس کو خط میاں
لیکن نظیر تو نے نہ مانا مرا کہا

نظم نمبر ۱۴۱

خمسہ

(۱)
خدا جہان کا گر اُس صنم کو کبھی مدار المہام کرتا
نہ کوئی جیتا نہ کوئی رہتا جو اپنی ضد کا وہ کام کرتا
تو اک نظارے میں وہ ستمگار کام سب کا تمام کرتا
بتوں کی مجلس میں شب کو مہر و جو اور تک بھی قیام کرتا
کنشت ویراں صنم کو بندہ برہمنوں کو غلام کرتا

(۲)
فلک نے اپنی تمام خلقت میں مجکو تجکو کیا نرالا
نہ مجسا عاشق نہ تجسا معشوق میں نے عالم کو دیکھ ڈالا

غریب حیراں، اسیر گریاں، نہ جی میں طاقت نہ دل میں نالا — خراب خستہ سمجھ کے تو نے پیارے مجھکو عبث نکالا
جو رہنے دیتا تو گل رخوں میں قسم ہے تیری میں نام کرتا

(۳)
جہاں کی وسعت میں صور پھکتا اندھیرا ہوتا تمام ہر جاں — درخت اکھڑتے ستارے گرتے لرزتی زمیں جو ہوتے فرشتے ترساں
زمیں الٹتی سپہر گرتا پہاڑ اڑتے روئی سے یکساں — کروڑوں دل جو موئے پڑے ہیں نکلتے خونیں کفن سے نالاں
قیامت ہو جاتی جو وہ قامت گلی میں اپنی خرام کرتا

(۴)
یکایک آ کر بہ اضطرابی ملا جو مجھ سے وہ ماہ پیکر — کہا کہ خوب ہی لگا ہے جھگڑا کہا رقیبوں سے میں نے جا کر
ہے اب وہ دشمن ہے ان کا خونی کہا یہ میں نے کہ ای ستمگر — نہ اتنے قصے نہ جنگ ہوتے پیارے تیرے ملاپ اوپر
رقیب آپ ہی سے زہر کھاتے جو وصل کا تو پیام کرتا

(۵)
ذرا بھووں کی اشارتوں سے اگل جو پڑتے مژہ کے خنجر — تڑپتے لاکھوں برنگ بسمل خوشی سے ہو کر شہید اکبر
نہ باغ بچتا نہ باغباں سب یہ حال ہوتا پھر اس دم آ کر — وہ سرو قامت جو مسکرا کر چمن میں جاتا جو مسکرا کر
تڑپتی بلبل سسکتی قمری گلوں پہ ہسنا حرام کرتا

(۶)
ہماری جانب سے منہ چھپا کر جو بیٹھا مجلس میں آن کر تو — حواس و ہوش و قرار اپنے تو وہیں اٹھ گئے ہوا پہ ہر سو
رہا تھا جی باقی ایک نالاں سو وہ بھی اٹکا تھا آ کے جوں مو — بھلا ہوا جو نقاب تو نے اٹھایا چہرے سے اے پری رو
وگرنہ سینے سے دل تڑپ کر نگہ میں آ کر مقام کرتا

(۷)
کیا ہے کاکل کی فوج نے تو ہمارے دل پر ادھر کو شبخوں — ادھر سے چہرے کی ہے چڑھائی عجب میں لیل و نہار میں ہوں
غلط نہ جانو اب اس کو یارو قسم ہے تم سے میں راست کہدوں — جو زلفیں مکھڑے پہ کھول دیتا صنم ہمارا تو پھر یہ گردوں
نہ دن دکھاتا نہ شب بتاتا نہ صبح لاتا نہ شام کرتا

(۸)
عجب مزہ تھا جو میکدہ میں موئے تھے بادہ پرست بیخود — رفیقوں کو پر نشے سے ہر دم صنم کے چلتے تھے دست بیخود
ہر اک پڑا تھا سر رھا نے خم کے گرے تھا ہر ایک جست بیخود — وہ بزم اپنی تھی میخوری کی فرشتے ہو جاتے مست بیخود
جو شیخ جی واں سے بچ کے آتے تو پھر میں ان کو سلام کرتا

(۹)
ہمارے حق میں جو تیرے آگے ہر ایک نکتے سے چن رہا ہے — سنے سے جس کے فلک بھی ظالم سر اپنا حسرت سے دھن رہا ہے

ترا سبب ہی جو یہ سنے ہو اگرچہ سن سن کے سن رہا ہو
نظیر تیری اشارتوں سے یہ باتیں غیروں کی سن رہا ہو
وگرنہ کس میں تھی تاب و طاقت جو مجھسے آکر کلام کرتا

نظم نمبر ۱۴۴

خمسہ

(۱)
قمر خجل ہو اُنھوں کی تھلک نہ دیکھ سکا
گہر بھی لب کے سخن کی ڈھلک نہ دیکھ سکا
سُنہرے رنگ کی کندن ڈلک نہ دیکھ سکا
ترے جمال کی سورج جھلک نہ دیکھ سکا
کھُلی نقاب رہی جب تلک نہ دیکھ سکا

(۲)
ترے الم میں نہو دخل سو مہورت کو
ملاپ تجسے کہاں آب و گل کی مورت کو
نہ ہمسری ہو کبھی صاف سے کدورت کو
تو وہ ہی نور سراپا کہ تیری صورت کو
بشر تو کیا ہی مری جان ملک نہ دیکھ سکا

(۳)
غم فراق میں جینے سے ہم جو اُکتائے
تو واں بھی ذرے ہمارے ہوا نے اُڑوائے
ندان یار کے کوچے میں جا کے کام آئے
گلی کی خاک بھی ہو کر نہ ٹھیرنے پائے
ہمیں تو آہ فلک یاں تلک نہ دیکھ سکا

(۴)
ہوا ہوں سوکھ کے کانٹا میں ہجر میں رو رو
کمال ضعف کا اپنے کہوں میں کیا یارو
نہ بال اور نہ کمر اب مرے مقابل ہو
یہ ناتواں ہوں کہ آیا جو یار ملنے کو
تو صورت اُس کی اُٹھا کر پلک نہ دیکھ سکا

(۶)
پڑا ہی آہ مجھے جب سے شوخ سے پالا
لگا لگا کے نگاہوں کا تیر اور بھالا
نہ جی کو چین ہوا اور نہ دل نے سُکھ پایا
گھڑی تو دل کو پرویا گھڑی جگر چھیدا
کبھی خوشی سے مجھے وہ اک پلک نہ دیکھ سکا

(۷)
ابھی تو آہ خموں میں شراب ہی باقی
ہمارے یار کو ظالم بعینِ مشتاقی
سبھوں سے عیش کی یاں ہو رہی ہی بیباقی
لگا گھٹا نے جواب مجھ کو دم بدم ساقی

ہمارے جام کی شاید چھلک نہ دیکھ سکا

(۸) کبھی اُدھر کو جو قاصد ترا گذر ہووے
تو آہ بھر کے یہ کہیو تو اُس پری رو سے
دیا کہ راہ میں جاتے کہیں وہ تجھ سے ملے
نظیرؔ تم سے نہ ہوتا کبھی جدا پیارے
پہ کیا کرے کہ یہ کافر فلک نہ دیکھ سکا

نظم نمبر ۱۴۵

خمسہ

(۱) تنہا نہ مُنہ کو دیکھ جگر گُل کا پھٹ گیا
قاصد تو بات کہتے ہی بس گھر کو سٹ گیا
قد کی بھی شان دیکھ کے ہر سرو کٹ گیا
جب میں سُنا کہ یار کا دل مجھ سے ہٹ گیا
سُنتے ہی اُس کے میرا کلیجا اُلٹ گیا

(۲) لائے ہو کیوں طبیب کو تم میرے پاس آج
پوچھو نہ مجھ سے ہر گھڑی تم صحتِ مزاج
یارو کہیں بھی عشق کی دارو کا ہے رواج
میں عشق کا جلا ہوں مرا کچھ نہیں علاج
وہ پیڑ کیا ہرا ہو جو جڑ سے اُکھٹ گیا

(۳) اس عاشقی کے ہاتھ سے مرنے کے ہوں قریب
مت پُوچھ حال دل کا مرے آگے ای حبیب
قسمت میں عاشقوں کی یہ سودا لکھا ہے یا نصیب
فرہاد تھا تو شیریں کے غم میں مُوا غریب
لیلیٰ کے غم میں آن کے مجنوں بھی لٹ گیا

(۴) مجھ کو تو یار حُسن پرستی کا ہے مزا
میں تو اُسی کو دوست سمجھتا ہوں واہ وا
خوباں کا دیکھنا ہی مرے دل کی ہے دوا
اتنا کوئی کہے کہ دوانے پڑا ہے کیا
جا دیکھ ابھی اُدھر کوئی پریوں کا غٹ گیا

(۵) اُس شوخ کی نگہ میں دغا آن میں فسوں
قزاقی اُس کے حُسن کی کیا کیا بیاں کروں
کب تک میں اُس کے ہاتھ سے بچتا ہوا پھروں
چھینا تھا دل کو چشم نے لیکن میں کیا کروں
ادھر ہی اُوپر اُس صفِ مژگاں میں ہٹ گیا

(۶)
وہ شوخ تو کرے ہی دغا آنکھوں آنکھوں میں
جادوگری ہی کرتا ہوا آنکھوں آنکھوں میں
لیتا ہی دل نگہ سے چرا آنکھوں آنکھوں میں
کیا کھیلتا ہی نٹ کی کلا آنکھوں آنکھوں میں
دل صاف لے لیا ہی جو پوچھا تو نٹ گیا

(۷)
انگیا کے حسن کی جو نظر آگئی بھڑک
سورج کی اب جھلک کہوں بجلی کی یا چمک
اک آگ دل کے بیچ گئی اُس گھڑی بھڑک
آنکھوں میں میری صبح قیامت گئی جھلک
سینے سے اُس پری کے جو پردہ اُلٹ گیا

(۸)
اک دن کہیں وہ سیر کو نکلی تھی مہ جبیں
یہ کیا ہوا ہی مجھسے جو تو بولتی نہیں
کی عرض اُس سے میں نے کہ اے میرے دلنشین
سنکر لگی یہ کہنے وہ عیّار نازنیں
کیا بولیں چل ہمارا تو دل تجھسے پھٹ گیا

(۹)
مجھکو تو اُس کے روٹھنے کا کچھ نہ تھا دھیان
ہاتھوں کو جوڑ چشم سے آنسو کو کر رواں
یہ بات سُن میں رہ گیا حسرت سے نیم جاں
جب میں نے اُس صنم سے کہا کیا سبب ہی جاں
اخلاص ہم سے کم ہوا اور پیار گھٹ گیا

(۱۰)
ایسا تو اب غضب نہ کرو یارِ دل ربا
میں جانتا نہیں ہوں تمھیں مجھکو دو بتا
کس بات سے ہوا ہی مزاج آپ کا خفا
ایسی وہ بھاری مجھ سے ہوئی کون سی خطا
جس سے یہ دل اُداس ہوا جی اُچٹ گیا

(۱۱)
میں تو تمھارے پیار سے جیتا ہوں ناتواں
اُس دم جو تم خفا ہو تو میں کیا کروں بیاں
دیکھے سے تمکو جان میں آتی ہی میرے جاں
آنکھیں تمھاری کیا پھریں اُس وقت میری جاں
سچ پوچھیے تو مجھ سے زمانہ اُلٹ گیا

(۱۲)
تم پر تو میں نثار سدا صبح و شام ہوں
ہردم تمھاری چاہ کا دل سے غلام ہوں
تم آبِ زندگی ہو تو میں تشنہ کام ہوں
عشاق جاں نثاروں میں میں تو امام ہوں
یہ کہہ کے میں تو اُس کے گلے سے لپٹ گیا

(۱۳) یہ جو جھیلا اُس سے ہوا آ کے یک بیک
جوں جوں میں لپٹا اُس سے وہ بولا کہ چل سرک
بالا سا وہ جگر وہیں اُسکا گیا دھڑک
کتنا ہی اُسنے تن کو چھڑایا جھڑک جھڑک
پر میں بھی قینچی باندھ کے ایسا چمٹ گیا

(۱۴) کشتی سے پھر تو ہونے لگی آ کے یک دگر
وہ کھینچے مجھکو میں اُسے کھینچوں تھا سر بسر
بازو چھڑائے اُستے تو جا پکڑی میں کمر
یہ کشمکش ہوئی کہ گریبان میرا ادھر
ٹکڑے ہوا اور اُس کا ڈوپٹہ بھی پھٹ گیا

(۱۵) اُس نے بھی میری ضد سے گریباں لیا تھا چیر
پھر تو وہ ہنس کے میرے گلے لگ گئی شریر
میں نے بھی اُس کی کُرتی کی پھاڑی کئی دھجیر[۱]
آخر اُسی بہانے ملا یار سے نظیر
کپڑے بلا سے پھٹ گئے سودا تو پٹ گیا

نظم نمبر ۱۴۶
خمسہ

(۱) تھا وصل کا جس طور نشہ دل میں دوبالا
کیونکر نہ بہے چشم سے اب اشک کا نالا
ویسا ہی فلک نے یہ خلل ہجر کا ڈالا
پھر ہو کے خفا روٹھ گیا ہم سے وہ لالا
ای داغ مبارک ہو تجھے منصب والا

(۲) قصّے کو میرے سامنے ہرگز نہ بکھانو
یہ جھوٹھ نہیں تم اسے مانو کہ نہ مانو
اثبات جو کرتا ہی تو اس بات کو چھانو
شیریں کے در او پر یہ جو سے شیر نہ جانو
فرہاد کے لوہو کا چھلکتا ہی یہ نالا

(۳) بھر عمر کبھی ہم سے ہوا تھا نہ جُدا وو
جیتا ہی خدا جانے و یا مر گیا رو رو
کل اُس کے تئیں لے گیا ایک شوخ جفا جو
کیا جانے وہ کس حال میں ہووے گا عزیزو
دل آج مرا اس کا اللہ تعالےٰ

[۱] دھجیر دھجی کو کہتے ہیں۔

(۴)
ہی گرچہ لڑکپن میں ابھی شوخ وہ مشہور
کیا کیا میں کروں اُس کی اب عیّاری کا مذکور
پر دم میں کسی کے نہیں آتا ہی یہ مقدور
بوسے کی طلب کی، تو کہا ناز سے چل، دور
اور دل کو کہا لے تو وہیں ہنس کے کہا: لا

(۵)
دل سب سے اُٹھا جان تجھے میں نے جو چاہا
اب نزع میں ہوں تیرے تغافل سے اہاہا
جو ظلم و ستم تو نے کیا سب وہ اُٹھایا
رگ رگ میں تیرے ہجر میں، ای رشکِ مسیحا
مرتا ہوں کوئی اب مرے جینے کی دوا لا

(۶)
اُس شوخ کو یارو یہ کوئی جا کے سُناؤ
کچھ باقی نہیں، تب مجھسے تُم اب ہاتھ اُٹھاؤ
یعنے مجھے اس ہجر کے زنداں سے چھڑاؤ
مجھ ضعف کے مارے کو نہ زنجیر پہناؤ
کافی ہی مری قید کو اک مکڑی کا جالا

(۷)
کل ہو جو گیا اُس صفِ مژگاں کے مقابل
چُپ ہونے سے اب مجکو یقیں ہوگیا حاصل
بسمل سا تڑپتا تھا سرِ شام سے گھائل
شاید کہ سُوارات کو سینے میں مرا دل
نہ آہ نہ زاری نہ دم سرد نہ نالا

(۸)
نہ زر ہی مرے پاس جو اُس شوخ کو دیکھوں
کچھ بن نہیں آتا ہی کسے جا کے سُناؤں
نہ زور کہ دھمکا کے اُسے پاس بلاؤں
گر بس ہو مرا تو میں کسی چور سے کہدوں
جا آج پلنگ اُس کے تو سوتے کا اُٹھا لا

(۹)
دُنیا میں جو کرتا ہی کسی کی کوئی اب چاہ
خوبوں کے مزاجوں سے ابھی تو نہیں آگاہ
سب ناز اُٹھاتا ہی وہ اُس شوخ کے دلخواہ
وہ آپ سے رُوٹھا نہیں منے کا نظیر آہ!
کیا دیکھے ہی چل پانوں پڑا اور اُس کو منالا

نظم نمبر ۱۴۷

حمد

(۱)
تھا ہجر میں جیسا دل ویران تہ و بالا
ویسا ہی بنا وصل کا ہوتے ہی اُجالا

نمبر	مصرع	مصرع
	ہو چاہ کا رُتبہ نہ بھلا کیونکہ دو بالا	پھر آن کے منت سے ملا ہم سے وہ لالا
	المنۃ للہ تقدس و تعالیٰ	
(۲)	کچھ غم نہیں گر تو نے لہو میرا بہایا	بسمل کی طرح خاک میں اور خوں میں لٹایا
	ارمان جو کچھ تھے دل کا مرے تھا سو بر آیا	کر قتل مجھے تو نے ہمیشہ کو جلایا
	ظالم تجھے جیتا رکھے اللہ تعالیٰ	
(۳)	اس عالم لیلیٰ کی ہوئی جب سے مجھے چاہ	تن سوکھ کے کانٹا ہوا اور مثلِ پر کاہ
	اس حال کو پہنچا ہوں غم و درد سے واللہ	دیکھا تو مجھے ہر کوئی کہتا ہے یہی واہ
	پھر قبر سے اللہ نے مجنوں کو نکالا	
(۴)	آنکھوں میں دم آیا ہے مرا نزع سے اب تو	دنیا سے گذرتا ہوں میں حسرت زدہ رو رو
	اٹکا ہے دم اور نکلے ہے جی اب کوئی دم کو	مر مر کے مجھے کہتا تھا سو مرتا ہوں میں یارو
	اب لاؤ کہاں ہے وہ مرا کوسنے والا	
(۵)	غنچوں کی طرح مل کے لہو اپنے دہن سے	زخموں کے نشاں سب وہ نمایاں ہیں بدن سے
	حسرت زدہ گھبرا کے ہر اک اپنے کفن سے	بن تختۂ گل آخرش اس خاکِ چمن سے
	نکلا مرے قاتل کے شہیدوں کا رسالا	
(۶)	مرتا ہوں، تڑپتا ہوں پڑا ہجر میں اُس بن	دن عمر کے بھرتا ہوں شب و روز میں گن گن
	مل جاوے کہیں تجھ سے وہ کافر جو کسی دن	قاصد تو مرا نام تو لیجو نہ، و لیکن
	کہنا کوئی مرتا ہے ترا چاہنے والا	
(۷)	اب فصل بہار آئی ہے دھوموں سے زمن میں	فرقت کے غم و درد سے طاقت نہیں تن میں
	اور غل ہیں پڑے بلبل و گل سرو و سمن میں	کیا خاک اُڑانے کو چلیں، آہ چمن میں
	نہ یار نہ ساقی نہ صراحی نہ پیالا	
(۸)	مدت میں کہیں ایک تو آنا ہوا اُس کا	اور آتے ہی قسمت نے مری اُس کو اُٹھایا

رہ رہ کے سب مجھ اب تو یہی حیف ہی آتا　جیسا کہ وہ ہو بے مجھ سے خفا رُوٹھ چلا تھا
اللہ نے کیوں جب ہی سب مجھے مار نہ ڈالا

(۹) یہ نور جو برسے ہی پڑا کوچہ و در سے　یارو یہ تجلّی تو نہ ہو شمس و قمر سے
دل دھڑکے ہی دیکھا نہیں جاتا ہی نظر سے　شاید وہی بن ٹھن کے چلا ہی کہیں گھر سے
ہی یہ تو اُسی چاند سی صورت کا اُجالا

(۱۰) اُس شوخ کی صورت کو ترس رہتی ہیں آنکھیں　دریا کی طرح رات و دن بہتی ہیں آنکھیں
فرقت کا جو از بسکہ ستم سہتی ہیں آنکھیں　لے لے کے بلائیں سب مجھے یوں کہتی ہیں آنکھیں
صدقے ترے پھر ایک نظر اُس کو دکھا لا

مجھ کو

(۱۱) ہی اُس کے تو چہرے پہ عجب رنگ چمکتا　پر رنگ وہ ایسا ہی کہ سمجھا نہیں جاتا
نہ سبز نہ سُرخ اور نہ سفید اور نہ سُنہرا　دل جانے ہی اُس رنگ کو جو رنگ ہی اُس کا
یوں کچھ ہی کہو وہ تو نہ گورا ہی نہ کالا

(۱۲) چکر نے مرے ہوش کو افلاک کے کھویا　تلووں کے تئیں خارِ بیاباں نے پرویا
نہ ابر نہ شبنم نے ٹک آنکھوں کو بھگویا　صحرا میں مرے حال پہ کوئی بھی نہ رویا
گر پھوٹ کے رویا تو مرے پانوں کا چھالا

(۱۳) کل ہم نے جو کی بادہ کشی صُبح سے تا شام　اور پی کے چلے ساتھ ستمگر کے کئی جام
اس ضد کا بھلا کیوں نہ اُسے دیجیے الزام　اَوروں کو تو گرنے بھی نہ پائے جو لیا تھام
ہم گر بھی پڑے تو بھی نہ ظالم نے سنبھالا

(۱۴) کیا کیا نہ ستم تو نے سہے عشق میں جاں کاہ　آنکھوں میں دم آیا ترا تن غم سے ہوا کاہ
اب جینے کا تیرے کوئی چارہ نہیں واللہ　ہم تجھ سے اسی روز کو روتے تھے نظیر آہ
کیوں تو نے پڑھا عشق و محبت کا رسالا

نظم نمبر ۱۴۱

خمسۂ ہفت زبان

(۱)
ہمیشہ چاہت کی دُھن ہے جس کو دل اُس کا ہے مہرخوں کا ہالا
لگائے رکھتا ہے اُس کی چیٹک جو حُسن اُس نے ہے دیکھا بھالا
دیا دل اپنا اُسی کو ہنس کر جہاں پری رو نے یوں کہا: لا
سحر جو نکلا میں اپنے گھر سے تو دیکھا اک شوخ حُسن والا
جھلک وہ مکھڑے میں اُس صنم کے کہ جیسے سُورج میں ہو اُجالا

(۲)
ہوا نہایت میں جی میں خوش دل نظر پڑا وہ صنم جو مجھکو
صفت کی اُس کے جمال کی واں کھڑے کھڑے میں نے دل میں خوش ہو
جو دیکھی میں نے وہ اُس کی خوبی مری زباں سے بیاں وہ کب ہو
وہ زُلفیں اُس کی سیاہ پُرخم کہ اُن کے بل اور شکن کو یارو
نہ پہنچے سنبل، نہ پہنچے ریحاں، نہ پہنچے ناگن نہ پہنچے کالا

(۳)
بہار دیکھی جو اُس صنم کی تو وصف اُس کا کہوں میں کیا کیا
پری بھی دیکھے تو شرمگیں ہو وہ حُسن و خُوبی بھرے سراپا
وہ چال چنچل، وہ نظریں جادو، وہ پیاری صُورت، وہ خُوب نقشا
ادائیں بانکی عجب طرح کی، وہ ترچھی چتوں بھی کچھ تماشا
بھویں وہ جیسی کھنچی کمانیں، پلک سناں کش، نگاہ بھالا

(۴)
عجب روش کا وہ شوخ گل رو کہوں میں کیا کیا کچھ اُس کی خوبی
ہوا فدا میں دل اور جاں سے وہ طرز اُس کی جو میں نے دیکھی
کچھ ایسا مہوش، کچھ ایسا دلبر کہوں کہاں تک صفت میں اُس کی
وہ آنکھیں مست اور گلابی اُس کی کہ اُن کو دیکھے تو تھکے ہی

ف عربی زبان سے ہو کب ادا وہ

مے محبت کا اُس کی دل کو ہو گیا ہی گہرا نشہ دوبالا

(۵) وہ شوخ چنچل کچھ ایسے ڈھب کا کہ اُس کا مکھڑا جو کوئی دیکھے
پھرے دیوانہ سا ہر طرف وہ اُسی کی چاہت میں ہوش کھو دے
لگاوٹیں ہیں کئی طرح کی فریب و فن بھی کئی نمط کے
لبوں پہ سُرخی وہ پان کی کچھ کہ لعل بھی منفعل ہو جس سے
وہ آن ہنسنے کی بھی پھر ایسی کہ جس کا عالم ہی کچھ نرالا

(۶) وہ طُرفہ دلبر وہ مہر منظر وہ نسترن بر جو میں نے دیکھا
بجز اہا ہا کچھ اور ہرگز نہ حرف میری زباں سے نکلا
ہوا میں صورت کو دیکھتے ہی غُلام اُس کی ہر اک ادا کا
وہ جامہ زیبی وہ دل فریبی وہ سج دھج اُس کی وہ قدِ زیبا
کہ دیکھ جسپر فدا ہوں دل سے وہ جن کو کہتے ہیں سرو بالا

(۷) خوش اپنے دل میں ہوا بہت ہی میں اُس پری رو کے دیکھنے سے
نثار اُسپر ہوا میں کیا کیا جب اُس کے انداز و ناز دیکھے
جو شوخیاں اُس میں میں نے پائیں کہاں تک اُن کا بیاں ہو مجھسے
نگہ لڑاتے ہی اُس نے جسدم جھپک لیا جھپ تو دل کو میرے
ادا ادا نے ادھر دبوچا پلک پلک نے اُدھر اُچھالا

(۸) جب اُس پری رو کے ہاتھوں اگر یہ مشکل واں میرے دل کی ٹھہری
رہا میں بے بس کہوں میں کس سے جو میرے اُس وقت جی پہ گذری
ہوئی اذیت جو مجھپہ اُس دم وہ میں ہی جانوں خبر کسے جی
جو لے لیا دل کو میرے یارو تو اُس نے لی راہ اپنے گھر کی
پڑا تڑپتا میں رہ گیا واں زباں پہ آہ اور لبوں پہ نالا

(۹) جب اُس صنم کی ادا سے اُس جا دکھایا اپنا وہ مجکو جادو

پھنسا میں زلفوں کے بل میں یارو رہی نہ عقل و خرد سر مو

ہوا میں بے کل برنگِ بسمل جو ہوش تھا سب ہوا وہ یکسو

بہت یہ میں نے تو چاہا پوچھوں میں نام اُس کا وے وہ گل رو

نہ مجسے بولا نہ کی اشارت نہ دی تسلّی نہ کچھ سنبھالا

(۱۰) غرض وہ عیار میرے دل کو جو لے گیا چھل کے واں سے اُس دم

صبا کے قاصد کو میں نے بھیجا کئی زبانیں سکھا کے پیہم

جو پہنچے واں تو یہ کہیو پہلے تو اس زباں سے بدیدۂ نم

پری رُخ من شکر لبِ من دمے تو باز آ بہ پیشِ چشمم

بیا و سروِ تو بیقرارم نہالِ عشقت شدہ است بالا

(۱۱) گیا ہو جب سے تو منہ دکھا کر نہیں پڑا چین مجکو اب تک

کھلی ہیں آنکھیں برنگ نرگس رہا ہوں تیری ہی راہ میں تک

جھمک دکھا جا تُک اپنے رُخ کی کسی طرح سے تو پھر یکایک

فدار و جھمک عشق شرقاً دموع نہر او من فراقک

کثیر حزنا مع الھموم ثقیل ہجر او کالجبالا

(۱۲) ہوئی وہ تقصیر مجھسے کیا اب تو جس کے باعث جُدا ہوا ہے

مرا تو جان و دل ای پری رو تجھی صنم پر فدا ہوا ہے

کسی طرح سے تو جلد آ جا نکلتی منہ سے یہی صدا ہی

تساڈے ملنے توں دل ہویکل ایہی او وہ گلاں نت آکھدا ہی

سد لے مینوں تُسے اپنے گھر وچ نہیں تو اتھے اساڈے نال آ

(۱۳) تجھی میں رہتا ہو دھیان میرا نہ سکھ ہو دن میں نہ نیند رنیاں

ترا ہی لیتا ہوں نام ہر دم جپیں ہیں سمرن کو جیسے جپناں
کہیں سے آمل تو مجھ سے پیارے جو میرے دل کو نگ آوے چیناں
تمہاری آسا لگی ہی نسدن تمہارے درشن کو ترسیں نیناں
دلاری سندر انوکھے ابرن ہٹیلے موہن انوکھے لالا

(۱۴) تری جدائی میں اے ستم گر یہ سختی مجھ پر ہی اب گذرتی
نہ گھر میں دل کو قرار آوے نہ میرا باہر کہیں لگے جی
نہیں جو آیا تو اس طرف کو یہ بات کیا تیرے دل میں ٹھہری
اپلنے من کو جو چھینوں تھیں سی ابار کا ہین لگائی اتنی
پھر اتھیں آکر گھبر لو مھاں کی پلک کٹارا جو تھاں سنے گھالا

(۱۵) وہ تیری صورت ہی جب سے دیکھی تو ہر دم آنکھیں ہے ہیں حیراں
جو کا کل آتی ہی یاد تیری تو دل ہی ہوتا بہت پریشاں
ارے سجیلے ارے چھبیلے ارے ڈھبیلے کبھی تو آیاں
اگن برت ہی ہیا میں مورے برہ میں تورے امین بھواناں
تورے جیونوان لے موہا مہنکو نہ چھینوں تنکو بھوا دکھالا

(۱۶) گیا ہی جب سے تو دل کو لے کر نہیں ہی مجکو قرار یک جا
امید ملنے کی تیرے رکھکر ادھر ادھر ہوں میں جاتا آتا
ہوا ہی میرا یہ حال اب تو تری جدائی میں اے دل آرا
جگت سبھا امست برہکھ اٹک کھسوا من کرن کھا
دوانے کینی تمن سُر بحن نہ سُدھ کی گرتر نہ بدھ کی چھالا

(۱۷) جو دل پہ گذرے ہی میرے تجھ بن بیاں نہیں ہی کچھ اُس کا آساں
یہی تمنا ہی جی میں رہتی کہ تو پھر آوے کوئی گھڑی یاں

جو جگنو دیکھے تو ہو تسلّی جو تجھ سے بولے تو دل ہو خوش ہاں

کبھی تو ہنس کر شتاب آ جا نظیرؔ کی بھی طرف تنک ای جاں

بنا کے سج دھج پھر اکے دامن لگا کے ٹھوکر ہلا کے بالا

نظم نمبر ۱۴۹

(۱)

چہرہ ہی ترا نور کی تنویر کا نقشا
اور مصرعِ قدِ حشر کی تفسیر کا نقشا

یاں تک ہی ترے حسنِ جہاں گیر کا نقشا
مانی نے جو دیکھا تری تصویر کا نقشا

سب بھول گیا اپنی وہ تحریر کا نقشا

(۲)

ترچھی ہی نظر تیز نگہ نوکِ سناں ہی
جس تیر کا مارا ہوا ہر پیر و جواں ہی

آفت کی ہی تلوار قیامت کی کماں ہی
اُس ابروِ خمدار کی صورت سے عیاں ہی

خنجر کی شباہت دمِ شمشیر کا نقشا

(۳)

پلکوں میں تری ہی جو درازی و سیاہی
ہر نوک پڑی دیتی ہی نشتر کی گواہی

عشاق کے لشکر میں پڑے کیوں نہ تباہی
مژگاں کو تری دیکھ یہ کہتے ہیں سپاہی:

تصویر یہ بھالے کی ہی اور تیر کا نقشا

(۴)

شانہ ہو جگر چاک یہ کہتا ہی: سیانو
میں محرمِ اسرار ہوں کہنا مرا مانو

اُس قید سے ڈرتے رہو، سنتے ہو دِوانو
یہ زلفِ سیہ عارضِ قاتل پہ نہ جانو

تقدیر نے کھینچا ہی یہ زنجیر کا نقشا

(۵)

اُس قاتلِ بیداد کی جس دن سے ہوئی چاہ
کچھ جرم و خطا مجھ سے نہ ہر گز ہوا واللہ

اُس ظلم کی فریاد کروں کس سے میں، اللہ
کیا پردے ہی پردے میں مجھے قتل کیا آہ

ہر گز نہ کھلا کچھ مری تقدیر کا نقشا

(۶)

آگے تو مرے پاس وہ آتا تھا دل افروز
اب دل میں لگاتا ہی مرے تیرِ جگر دوز

اُس درد سے رونا مجھے آتا ہی شب و روز
کیا گردشِ ایام ہی ای آہ جگر سوز

اُلٹا نظر آیا تری تاثیر کا نقشا

(۷)
نکلا تھا رقیبوں کو لیے ساتھ وہ گمراہ ۔ اتنا ہی کہا میں نے کہ صد آفریں ای واہ
بس اتنی ہی تقصیر پہ کہتا ہی وہ خونخواہ ۔ یا گھر سے نکالوں تجھے، یا قتل کروں آہ
ٹھہرا ہی یہ کچھ اب مری تقدیر کا نقشا

(۸)
کھیتی ہی محبت کی سو بووے ہی ہمیشہ ۔ اور اشک کے قطروں سے پرووے ہی ہمیشہ
کھاوے وہیں، پیوے وہیں، سووے ہی ہمیشہ ۔ دن رات ترے کوچے میں رووے ہی ہمیشہ
عاشق کے یہ ہی منصب و جاگیر کا نقشا

(۹)
ہی نقش مرے دل میں ترے حسن کا ہر آن ۔ مر کر بھی مرے دل سے نہ جاوے گا ترا دھیان
زنہار نہ بھولوں گا تجھے میں، ارے نادان ۔ میں تو صفِ محشر میں بھی لوں گا تجھے پہچان
رانجھا کو نہ بھولے گا کبھی ہیر کا نقشا

(۱۰)
کیا قول کیا پورا کہ اُس کوہ پہ جا کر ۔ دن رات تراشا کیا دلبر کی وفا پر
ناچار جب آخر یہ ہوا وقت برابر ۔ فرہاد نے تیشے سے لہو اپنا بہا کر
شیریں کو دکھایا وہ جوے شیر کا نقشا

(۱۱)
لیلےٰ کے کھلے بال جو دیکھے تھے نمودار ۔ بھر عمر رہا پھر اُسی پھندے میں گرفتار
کیا چاہ کا اُس کی میں کہوں آہ اب اسرار ۔ یہ تربتِ مجنوں پہ نہیں گھانس اُگی، یار
لیلےٰ کی یہ ہی زلفِ گرہ گیر کا نقشا

(۱۲)
دن رات مرے قتل کو پھرتا ہی وہ گمراہ ۔ اب جی مرا کس طور بچے، ای مرے اللہ
کیا فکر کروں، کس سے کہوں یہ غمِ جاں کاہ ۔ تدبیر تو کچھ بن نہیں آتی ہی نظیر آہ
اب دیکھیے کیا ہوتا ہی تقدیر کا نقشا

ردیف ر

نظم نمبر ۱۵

خمسہ بر غزل خود

(۱)
خوشی سے دل کی منگا عطر و پان کوٹھے پر
بچھا کے فرش لگا سائبان کوٹھے پر
ہمارے ملنے کا رکھ دل میں دھیان کوٹھے پر
کبھی تو آؤ ہمارے بھی جان کوٹھے پر
لیا ہے ہمنے اکیلا مکان کوٹھے پر

(۲)
ادا کی تیغ بھنووں کی کمان کوٹھے پر
مژہ کا تیر نگہ کی سنان کوٹھے پر
بنا کے ناز و کرشمے کی شان کوٹھے پر
کھڑے جو ہوتے ہو تم آن آن کوٹھے پر
کروگے حسن کی کیا تم دکان کوٹھے پر

(۳)
تمھاری یاد میں ٹکڑے کیا جگر میں نے
تمھارے ہجر میں چھانا ہے در بدر میں نے
کھڑا ہو دور سے ٹھہرا کے ٹک نظر میں نے
تمھیں جو شام کو دیکھا تھا بام پر میں نے
تمام رات رہا میرا دھیان کوٹھے پر

(۴)
اگرچہ ہم کو ستاتے ہو تم بہت ساجی
جھڑک جھڑک کے اٹھاتے ہو اور دے گالی
تمھاری مجھ سے تو الفت نہ چھوٹے جیتے جی
یقیں ہے بلکہ مری جان جب کہ نکلے گی
تو آرہی گی تمھارے ہی جان کوٹھے پر

(۵)
تمھیں خبر نہیں پیارے ابھی ہو تم لڑکے
گلاب و عطر ملا ہے جو تم نے کپڑوں سے
یہ وقتِ شام ہے اور دونوں وقت ہیں ملتے
مجھے یہ ڈر ہے کسی کی نظر نہ لگ جاوے
پھرو نہ تم کھلے بالوں سے جان کوٹھے پر

(۶)
ادھر سے زلف بھی آکر ہوا سے لہراوے
ادھر سے پان و مسی بھی جو رنگ دکھلاوے
ادھر سے چاند سا مکھڑا جھلک جو جھمکاوے
بشر تو کیا ہے فرشتے کا جی نکل جاوے
تمھارے حسن کی دیکھ آن بان کوٹھے پر

(۷)	جہاں دِلوں کی محبت کا کاروبار نہ ہی یہ بار بار کے آنے سے ہم نے جانا ہی	وہاں تو لاکھ طرح دیکھنا دِکھانا ہی جھمک دکھا کے ہمیں اَور بھی پھنسانا ہی
	جبھی تو چڑھتے ہو تم جان جان کوٹھے پر	
(۸)	میاں یہ ہی سرِ بازار کچھ تو خوف کرو نشے میں پیار سے ہنس ہنس کے مجھ سے مت اینٹھو	گلابی پیتے ہو مِی کی تو ٹک کنارے بیٹھو تمھیں تو کیا ہی ولیکن مری خرابی ہو
	کسی کا آن پڑے اب جو دھیان کوٹھے پر	
(۹)	پڑی ہیں اُسپہ یہ چھینٹیں کئی جو شنگرفی ہزاروں دیکھی ہیں ہم نے مُنڈیریں چونے کی	نہیں تمھارے سرِ بام رنگ کی سُرخی کہ یہ چونے کاری میں ہوتی ہی سُرخی کب ایسی
	کسی کے خُون کا یہ ہی نشان کوٹھے پر	
(۱۰)	تمھارے ہجر نے اِی جاں ہمیں کیا ہی گرد بہا کے آنکھوں سے آنسو جگر سے بھر دم سرد	حواس باختہ غمناک چشم اور منھ زرد یہ آرزو ہی کسی دن تو اپنے دل کا درد
	کریں ہم آن کے تُم سے بیان کوٹھے پر	
(۱۱)	ہوے ہیں ہم تو تمھاری محبتوں میں تباہ سُنو جی خُوب سمجھتے ہیں ہم تمھاری چاہ	ولے تمھاری وہی ہی دغا و مکر کی راہ لڑاؤ غیر سے آنکھیں کھو ہو ہم سے آہ!
	کہ تھا ہمیں تو تمھارا ہی دھیان کوٹھے پر	
(۱۲)	یہ دم کی بات جو کہنا ہو اب تو اُس سے کہو ہمیں تو اُدھر سے ہی معلوم آپ کی خو بو	نہ جانتا ہو تمھاری جو کوئی باتوں کو خُدا کے واسطے اتنا تو جھوٹ مت بولو
	کہیں نہ ٹوٹ پڑے آسمان کوٹھے پر	
(۱۳)	یہ سُن کے باتیں مری ہنس پڑا وہ مہرِ منیر پھر اپنے ناز و ادا میں سمجھ کے مجھ کو اسیر	لگا یہ کہنے کہ تو بھی کوئی بڑا ہی شریر کمندِ زلف کی لٹکا کے اُس صنم نے نظیر
	چڑھا لیا مجھے اپنے مکان کوٹھے پر	

نظم نمبر ۱۵۱

(۱)
چہرے پہ سیہ ناگن چھوٹی ہی جو لہرا کر　کس پیچ سے آئی ہی رخسار پہ بل کھا کر
جس کا کُل مشکیں میں پھنستے ہیں ملک آکر　اُس زلف کے پھندوں نے رکھا مجھے اُلجھا کر
دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جاکر

(۲)
جس دن سے ہوا آکر اُس زلف کا زندانی　ہی ایک ہو گئی یہ میری خاطر کی پریشانی
پھر عمر نہ جاوے گی اب جی سے پشیمانی　افسوس کہوں کس سے میں اپنی یہ نادانی
دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جاکر

(۳)
جس وقت لکھی ہووے قسمت میں گرفتاری　کچھ کام نہیں آتی پھر عقل کی ہشیاری
یہ قید مرے اُوپر ایسی ہی پڑی بھاری　رونا مجھے آتا ہی اس بات پہ ہر باری
دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جاکر

(۴)
اُس زلف کے ہر مو نے لاکھوں کے تئیں مارا　اللہ کی خواہش سے بندے کا نہیں چارا
کچھ بن نہیں آتا ہی طاقت ہی نہ کچھ یارا　اب کاہے کو ہوتا ہی اس قید سے چھٹکارا
دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جاکر

(۵)
اُس زلف تلک مجکو کا ہیکو رسائی تھی　قسمت نے مری خاطر زنجیر بنائی تھی
تقدیر مرے آگے جس دم اُسے لائی تھی　شاید کہ اجل میری بن کر وہی آئی تھی
دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جاکر

(۶)
گر چاہِ زنخداں میں ہئیں ڈوب کے دُکھ پاتا　یوسف کی طرح اک دن آخر میں نکل آتا
اس زلف کی زنداں سے کچھ پیش نہیں جاتا　آخر یہی کہہ کر پھرتا ہوں میں گھبراتا
دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جاکر

(۷)
اِس کو تو مرے دل کے ڈسنے کی شتابی ہی　اور جس کی وہ ناگن ہی وہ مست شرابی ہی
اُس غم سے لہو رو کر پُر چشم گلابی ہی　کیا طرفہ مصیبت ہی کیا سخت خرابی ہی

دل بند ہوا یارو دیکھو تو کہاں جاکر

(۸) ہر بند مرے تن کا اس قید میں گلتا ہی
جی سینے میں تڑپے ہی اشک آنکھ سے ڈھلتا ہی
سر پانوں سے جکڑا ہوں کچھ بس نہیں چلتا ہی
ہر وقت یہی مصرع اب منہ سے نکلتا ہی:

دل بند ہوا یارو دیکھو تو کہاں جاکر

(۹) اس قید کی سختی بن سنبھلا ہوں نہ سنبھلوں گا
اس موذی کے چنگل سے چھوٹا ہوں نہ چھوٹوں گا
اس کالی بلا سے میں جز رنج کے کیا لوں گا
آخر کو یہی کہہ کہ اک روز میں جی دوں گا:

دل بند ہوا یارو دیکھو تو کہاں جاکر

(۱۰) یہ قیدِ فرنگ ایسی دنیا میں بری شے ہی
اب چشم کا ساغر ہی اور خونِ جگر مے ہی
چھوٹا نہ اسیر اس کا اس قید کی وہ رہے ہی
کچھ بن نہیں آتا ہی کیا فکر کروں اے ہی!

دل بند ہوا یارو دیکھو تو کہاں جاکر

(۱۱) کہنے کو مرے یارو مت دل سے بھلا دیجو
مر جاؤں تو پھر میرا آثار بنا دیجو
زنجیر کوئی لاکر پانوں میں پنہا دیجو
مرقد پہ یہی مصرع تم میرے کھدا دیجو

دل بند ہوا یارو دیکھو تو کہاں جاکر

(۱۲) اس زلف کے پھندے میں یوں کون اٹکتا ہی
کانٹے کی طرح دل میں غم آکے کھٹکتا ہی
جوں چور کسی جاگہ رستے میں لٹکتا ہی
یہ کہہ کے نظیر اپنا سر غم سے ٹپکتا ہی

دل بند ہوا یارو دیکھو تو کہاں جاکر

ردیف ف

نظم نمبر ۱۵۲

خمسہ

(۱) ہو وے جو کوئی اس بتِ خود کام سے واقف
دل اپنا تو ہی چشمِ گل اندام سے واقف
بھر عمر نہ ہو پھر کبھی اسلام سے واقف
ساقی یہ بلا اس کو جو ہو جام سے واقف

ہم آج تلک مر کے نہیں نام سے واقف

(۲)
نت مست رہے میکدۂ عشق میں رہ کے
سرشار نشوں میں ہوئے پھرتے رہے بہکے
دیکھے نہ کبھی جور زمانے کی گرہ کے
مستی کے سوا دور میں اُس چشمِ سیہ کے
کافر ہو جو ہو گردشِ ایّام سے واقف

(۳)
اُس شوخِ ستمگار کی جس دن سے ہوئی چاہ
دُکھ بھرتے ہی بھرتے، غرض آخر ہوئے ناگاہ
جا مُلکِ عدم میں بھی تڑپتے رہے، واللہ
مر کر بھی تہِ خاک نہ آسودہ ہوئے، آہ!
اے عشق! نہ تھے ہم ترے انجام سے واقف

(۴)
پہلے تو پھنسایا ہمیں اُس نورِ نظر نے
آخر کو لگا پھر ستم و ظلم وہ کرنے
اب آہ! اسیری کے پڑے دُکھ ہمیں بھرنے
صیّاد کی اُلفت سے پھنسے آن کے ورنے
تھے کاہے کو ہم اس قفس و دام سے واقف

(۵)
سنّت سے بھلا کب وہ بُلاتا ہے کسی کو
چھوٹا ہے، دغا باز ہے، عیّار ہے، بدخو
ہم نے تو بہت اُس کی سمجھ رکھی ہے خو بو
ملنے کا پیام اُس سے کہو جا کے، عزیزو
جو اُس کے نہ ہو وصل کے پیغام سے واقف

(۶)
چاہو کہ پھر اب پیچ میں لو تم ہمیں اُس آن
سو آہ! یہ ہونا نہیں، اے خسروِ خوباں
ناحق دلِ صد چاک کو کرتے ہو پریشاں
اَوروں سے قسم کھائیے، اور ہم تو مری جاں
ہیں خوب تمھاری قسم اقسام سے واقف

(۷)
اوّل تو نہ کیجے کبھی خوباں کی، میاں! چاہ
اور کیجے تو ہو لیجیے سب چیز سے آگاہ
رونا مجھے رہ رہ کے یہی آتا ہے، واللہ
کوئی نہیں کرتا، جو کیا تو نے نظیرؔ آہ!
دل اُس کو دیا جس کے نہیں نام سے واقف

ردیف ل

نظم نمبر ۱۵۳

مسدّس

(۱)
جب ہم نے وں سے اے زیبِ محفل — باندھا سفر کے ناقے پہ محمل
فرقت میں تیری آشفتہ بیدل — غربت کے ہمراہ حسرت کے شامل

رفتیم و بُردیم داغِ تو بر دل
صحرا بہ صحرا منزل بمنزل

(۲)
منزل پہ اُترے تو اشک ریزاں — صحرا میں گذرے تو خاک بیزاں
جوں صیدِ زخمی ہر سو گُریزاں — القصّہ آخر اُفتاں و خیزاں

رفتیم و بُردیم داغِ تو بر دل
صحرا بہ صحرا منزل بہ منزل

(۳)
نکلے جو واں سے ہم پا پیادہ — صد بار ہجراں بر جاں نہادہ
صد جا نشستہ صد جا فتادہ — تجھ سے کہیں کیا اے گُل زیادہ

رفتیم و بُردیم داغِ تو بر دل
صحرا بہ صحرا منزل بمنزل

(۴)
منزل بھی طے کی اور صد بیاباں — طعنے بھی سہے کھینچے مثلِ عقاباں
بیتاب و بے صبر ہر سو شتاباں — فی الجملہ ناچار اے ماہِ تاباں

رفتیم و بُردیم داغِ تو بر دل
صحرا بہ صحرا منزل بمنزل

(۵)
چلنے کی طاقت ہم میں کہاں تھی — قالب تو یاں تھا اور رُوح واں تھی
نے دم میں دم تھا نے جاں میں جاں تھی — لیکن یہی بیت وردِ زباں تھی

رفتیم و بُردیم داغِ تو بر دل
صحرا بہ صحرا منزل بمنزل

(۶)
منزل پہ روئے ہم آکے ہر شب　　اوروں کو لوٹے صحرا میں جب تب
صد اشک در چشم، صد آہ بر لب　　آگے نظیر اب کیا بولے مطلب

رفتیم و بُردیم داغِ تو بر دل
صحرا بہ صحرا منزل بمنزل

ردیف ن نظم نمبر ۱۵۴ — دنیا کے تماشے

(۱)
کھول ٹک چشمِ تماشا یار باشے پھر کہاں　　یہ شکار و صید، یہ شکرے و باشے پھر کہاں
مال و دولت، سونا رُوپا تولا ماشے پھر کہاں　　دم غنیمت ہے بھلا یہ بُود و باشے پھر کہاں

دیکھ لے دُنیا کو، غافل، یہ تماشے پھر کہاں

(۲)
دل لگا اُلفت میں اور کر لے پریزادوں کی چاہ　　چاند سے مُکھڑوں سے مل، سُورج وشوں پر کر نگاہ
کچھ مزے کچھ لوٹ خط، یہ وقت کب ملتا ہے آہ　　کھالے، پی لے، سُکھ دے، اور دے لے، دلا دے، واہ واہ

دیکھ لے دُنیا کو، غافل، یہ تماشے پھر کہاں

(۳)
حُسن والوں کے بھی کیا کیا حُسن کے عالم ہیں یار　　سانولے گورے سُنہری سُرخ باندھے پگڑیاں
کیا سجیں کیا کیا دھجیں کیا ناز کیا چھب تختیاں　　بھولی بھولی صُورتیں اور پیاری پیاری انکھڑیاں

دیکھ لے دنیا کو، غافل، یہ تماشے پھر کہاں

(۴)
صُبح ہو تو سیر کر باغوں کی جا کر با فراغ　　بُلبلیں چہکیں ہیں، اور گُل کھل رہے ہیں مثلِ باغ
شام ہو تو روشنی کو دیکھ، پی مے کے ایاغ　　جل رہے ہیں جھاڑ و مشعل، شمع، قندیل و چراغ

دیکھ لے دُنیا کو غافل، یہ تماشے پھر کہاں

(۵)
کتنے میخانوں کے در پر لوٹتے ہیں پی کے مے　　کتنے مجلس کر کے سُنتے ہیں دف و مرونگ و نَے
دیروں میں اور مسجدوں میں کرتے ہیں غُل ہے بہ ہے　　ہر طرف دُھومیں مچیں ہیں، دید ہے اور سیر ہے

دیکھ لے دنیا کو غافل، یہ تماشے پھر کہاں

(۵) ﴿۶﴾
کتنے دل ہیں متفق، کتنے دلوں میں پھوٹ ہے　　دوستی ہے، دُشمنی ہے، ضد ہے، مارا کوٹ ہے

	پیار ہے، ہنس بیٹھنا ہے، اور جگت اور جھوٹ ہے	عدل ہے اور ظلم ہے غارت ہے لوٹا لوٹ ہے
	دیکھ لے دنیا کو غافل، یہ تماشے پھر کہاں	
(۷)	واہ وا! کیا کیا نظیر اس خلق کے اطوار ہیں	خوار ہیں سردار ہیں، زردار ہیں، لاچار ہیں
	گذریاں ہیں، چوک ہیں، بستے کئی بازار ہیں	دشت ہیں، صحرا ہیں، اور دریا ہیں اور کہسار ہیں
	دیکھ لے دنیا کو غافل، یہ تماشے پھر کہاں	

نظم نمبر ۱۵۵۔ رازداری محبوب

(۱)	سن رلے اے شوخ گل بدن، نادان	مجھے کہہ کہہ کے ہم ہوئے حیران
	اس طرح بھر کے منہ، چبا کر پان	غیر سے تو ہنسا نہ کر ہر آن
	اس میں ہوگا ہمارے جی کا زیان اب بھی، ظالم ہماری بات کو مان	
(۲)	گل بدن تالیاں بجاویں گے	غنچہ لب منہ بنا چڑاویں گے
	کتنے آنکھوں میں مسکراویں گے	کتنے آئینہ لا دکھاویں گے
	کیا ہی چھیڑیں گے ہر گھڑی، ہر آن اب بھی ظالم ہماری بات کو مان	
(۳)	تو جو خوباں میں خوار ہووے گا	اپنی سب دلبری ڈبووے گا
	بات سب مفت اپنی کھووے گا	ہاتھ پھر سر پہ رکھ کے رووے گا
	کچھ نہ پھر بن سکے گا اے نادان اب بھی، ظالم ہماری بات کو مان	
(۴)	کل تو واں ایک گورا سا لڑکا	اپنے یاروں میں کچھ وہ کہتا تھا
	ہم تو جانیں وہ صاف تھا جھوٹھا	یا خدا جانے تھا وہی سچا
	تو تو اس طور کا نہیں انسان	

اب بھی، ظالم ہماری بات کو مان

(۵)
ہم نے پوچھا کہ کیا لیا بوسا؟ — وہ تو کچھ اور اور ہی کچھ ر گا
میں کہا: ہاتھ سینے پر پھیرا! — اُس نے سودا ہی پار لا ڈالا

جانے اب اُس کا دین اور ایمان
اب بھی، ظالم ہماری بات کو مان

(۶)
ہم نے اُس سے کہا: تو جھوٹا ہے — کیا وہ ایسا خراب و رسوا ہے؟
بولا: صاحب، تمھیں تو سودا ہے — واں تو جھگڑا ہی سارا پرچھا ہے

کیا تمھارے ہیں بند اب تک کان
اب بھی، ظالم ہماری بات کو مان

(۷)
ہم نے پھر بات کھود کر پوچھی — کیا کسی نے لگا لیا چھاتی؟
بولا وہ: تم تو سنتے ہو کم جی — اجی ترکی ہی واں تمام ہوئی

جب تو کچھ ہم بھی ہو گئے حیران
اب بھی، ظالم ہماری بات کو مان

(۸)
اور بھی اس کے چرچے ہوتے تھے — کتنے موتی کھڑے پروتے تھے
کئی سُن سُن کے ہوش کھوتے تھے — ہم اسی دن کو یار روتے تھے

آخر اُٹھے یہ تو سے طوفان
اب بھی، ظالم ہماری بات کو مان

(۹)
کہ بھلا وہ جو کچھ کہے تھا جب — کچھ بھی سچ یا کہ جھوٹھ ہے یہ سب
آہ! اب ہم کو اس سے کیا مطلب — سچ بھی ہوگا، تو تُو کہے گا کب

شرم کا ہے کو کھلنے دے گی زبان
اب بھی، ظالم ہماری بات کو مان

(۱۰)
تو جو راتوں کو اُن میں جاتا ہے
قہقہے مار کِھل کِھلاتا ہے
جی میں پھولا نہیں سماتا ہے
ہم کو اب پھر یہ ہول آتا ہے

کہیں ویسے ہی پھر نہ ہوں نُقصان
اب بھی ظالم ہماری بات کو مان

(۱۱)
آج جانا کہیں جو ہے کھانا
آفت اِس حُسن پر تو مت لانا
دیکھیو اُن کے ساتھ مت جانا
اُن کے زِنہار دم میں مت آنا

اُن سے ڈرتا ہے ہر گھڑی شیطان
اب بھی ظالم ہماری بات کو مان

(۱۲)
تو بھلا گو کہ ہوشیار رہا
تجھ کو غافل نشے میں جب پایا
پر دیا جب نشہ دغا سے پلا
پھر اچھوتا کسی نے کب چھوڑا

رحم کر اپنے حال پر اے جان
اب بھی ظالم ہماری بات کو مان

(۱۳)
یاد ہے تجھ کو بات پرسوں کی
بات کچھ اَور ہی اَور ٹھہری تھی
جب نشے میں سے تجھے خبر نہ رہی
وہیں ہم آ گئے جو خبر ہوئی

ورنہ واں ہو چکا تھا سب سامان
اب بھی ظالم ہماری بات کو مان

(۱۴)
گر اُنھوں میں تو ہو گیا بدنام
کتنے ہنس ہنس کے دیویں گے دُشنام
کئی خوباں کریں گے خط ارقام
کئی جھک جھک کریں گے آ کے سلام

پھر بندھیں گے اکھاڑے اور میدان
اب بھی ظالم ہماری بات کو مان

(۱۵)
خوب رو بھی پھر اس کے چھپٹیں گے
کاغذوں کی طرح چھتھیڑیں گے

سب یہ باتیں گڑی اکھیڑیں گے | خوب سا شہد میں لتھیڑیں گے

دم میں کر دیں گے کرکری سب شان
اب بھی ظالم ہماری بات کو مان

(۱۶)
تجھ پہ اب پھینکتے ہیں جو پھندے | اے ستم گر بڑے ہیں وہ خندے
وال کئی ہو چکے ہیں شرمندے | دیکھ الفت میں ان کی مت تن دے

بن کے انسان پھر نہ ہو حیوان
اب بھی ظالم ہماری بات کو مان

(۱۷)
اب تو تھوڑا سا گل یہ پھولا ہے | کل کو پھر باؤ اور بولا ہے
اب تو جس کے بھروسے بھولا ہے | وہ ترے عیب سب قبولا ہے

لوگ باندھیں گے تو طیئے طوفان
اب بھی ظالم ہماری بات کو مان

(۱۸)
پھول ڈالی پہ جب تلک ہے کھلا | اس کا وال ہے کچھ اور ہی رتبا
جب کہ اس کو کسی نے توڑ لیا | پھر وہیں سونگ سانگ پھینک دیا

اس سخن سے تو مغز کو پہچان
اب بھی ظالم ہماری بات کو مان

(۱۹)
آج یہ گال ہیں جو گل سے لال | لوگ گرتے ہیں بلبلوں کی مثال
آہ انگلیں گے ان پہ جس دم بال | پھر نہ یہ دھوم اور نہ یہ و حقال

ان کے مٹنے پہ بھول مت اے جان
اب بھی ظالم ہماری بات کو مان

(۲۰)
اب تو رکھتے ہیں بوالہوس کھٹکا | کوئی چھیڑا لگا کوئی پٹکا +
لیک جب حسن نکھا گیا چھٹکا | آنا نہ آتو پوچھا پھر سٹکا

ہیں یہ وہ دن کے چاؤ اور ارمان
اب بھی ظالم ہماری بات کو مان

(۲۱)
آگے وہ بات یاد ہے پیارے
پر وہ طوفان تو سے ٹلے اُن کے
گرچہ سچ کچھ نہ تھی خدا نہ کرے
ہم تو اب تک ہیں اُن سے شرمندے
بلکہ تجھ کو بھی خوب ہوں گے دھیان
اب بھی ظالم ہماری بات کو مان

(۲۲)
کیوں ستمگر یہ کیسی بات ہوئی؟
نوبت اب یاں تلک تو آ پہنچی
اُس نے جو کچھ کہی سو تو نے سنی
اب نقارے ہی بجنے ہیں باقی
دیکھ عاشق نظیر کو پہچان
اب بھی ظالم ہماری بات کو مان

نظم نمبر ۱۵۶

(۱)
اُس شوخ کے ستم کا گلہ آہ کیا کروں؟
بہتے ہیں اشک شام و سحر گاہ کیا کروں؟
تن سوکھ کر ہوا ہے مرا کاہ کیا کروں؟
ملتا نہیں ہے تو بھی وہ گمراہ کیا کروں؟
فرصت تو سانس کی بھی نہیں آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے ای مرے اللہ کیا کروں؟

(۲)
جس دن سے اس سے آن کے چھوٹا مرا نصیب
ہوں جاں کنی میں تو بھی نہیں جاگتا نصیب
دل بھر کے ایک دن نہ ہوا دیکھنا نصیب
کن سختیوں میں آن پڑا اب میں یا نصیب
فرصت تو سانس کی بھی نہیں آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے ای مرے اللہ کیا کروں؟

(۳)
ادھر تو مجھ کو قتل کرے ہے وہ نیک نام
اب یار کو سناؤں کہ رکھوں اجل کو تھام
اودھر کو آرہے ہیں اجل کے مجھے پیام
اس کشمکش میں اب کہو کیا کیا کروں میں کام

فرصت تو سانس کی بھی نہیں آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے اے مرے اللہ کیا کروں؟

گر یار کی خوشی نہ کروں تو وہ ہو خفا
عرصہ تھا زندگی کا سو گھڑیوں پہ آ لگا
اور جو اجل کو روکوں تو مانے ہے وہ برا
اس دو گھڑی میں آہ میں کیا کیا کروں بھلا؟

فرصت تو سانس کی بھی نہیں آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے اے مرے اللہ کیا کروں؟

(۵) گر اپنی زندگانی کا کرتا ہوں اب حساب
کیونکر بہے نہ غم سے مرے آنسوؤں کا آب
پل مارنے کی دیر ہے پانی کا جوں حباب
اتنی سی زندگی میں بھی کیا کیا سہوں عذاب

فرصت تو سانس کی بھی نہیں آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے اے مرے اللہ کیا کروں؟

(۶) جو جی چھپا کے اب نہ سہوں یار کی جفا
اور جی کو دیکھتا ہوں تو اک دم کی ہے ہوا
تو عاشقوں کے بیچ کہاتا ہوں بے وفا
ان مشکلوں کے بیچ کروں آہ اب میں کیا

فرصت تو سانس کی بھی نہیں آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے اے مرے اللہ کیا کروں؟

(۷) گر ہاتھ دھو کے بیٹھ رہوں اب میں صبر کر
اور یار سے ملوں تو وہ کرتا نہیں نظر
تو لوگ طعنہ دیتے ہیں ہنس ہنس کے گھر بگھر
اس بیکسی میں آہ کہاں ٹکوں اپنا سر

فرصت تو سانس کی بھی نہیں آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے اے مرے اللہ کیا کروں

(۸) نہ آہ کا مکان ہے نہ رونے کی اب ہی جائے
گر ایک غم پڑے تو مرا جی اسے اٹھائے
نہ دل کو میرے صبر نہ دلدار منہ لگائے
اس آسماں پھٹے کو کھوں کس سے اب میں ہائے

فرصت تو سانس لی بھی نہیں آہ کیا کروں

کیا بے بسی ہے اے مرے اللہ کیا کروں؟

(۹) گر یار کی گلی میں رہوں جا کے بے قرار
ہر آن توڑتا ہے مری آس بار بار
تو سختیوں سے مجھ کو اُٹھاتا ہے مار مار
اس دردِ غم کو آہ میں کس سے کہوں پکار

فُرصت تو سانس کی بھی نہیں آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے اے مرے اللہ کیا کروں؟

(۱۰) روؤں تو مجھ کو اور رُلاتا ہے وہ حبیب
گر غم دیکھتا ہوں تو آ پہنچی عنقریب
بولوں تو یوں کہے ہے کہ چل مت نکال جیب
اور یار سے سلوک یہ ٹھہرے ہیں یا نصیب

فُرصت تو سانس کی بھی نہیں آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے اے مرے اللہ کیا کروں؟

(۱۱) چاہوں کہ مجھ کو عشق میں اپنے کرے اسیر
نہ مجھکو قتل کرتا ہے ظالم نہ دستگیر
تو دُور بھاگتا ہے مجھے جان کر حقیر
کیا بیطرح کے غم میں پھنسا ہوں میں اے نظیر

فُرصت تو سانس کی بھی نہیں آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے اے مرے اللہ کیا کروں؟

نظم نمبر ۱۵۷ - فراق

(۱) جب سے تم کو لے گیا ہے یہ فلکِ اظلم کہیں
ہم پہ جو گذرا ہے وہ گذرا کسی پر کم کہیں
جی ترستا ہے کہیں اور چشم ہے پُرنم کہیں
نہ تسلّی ہے نہ دل کو چین ہے اک دم کہیں

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

(۲) تم وہاں بیٹھے ہو ہم یاں ہجر کے ہاتھوں خراب
بیقراری ہے یادگاری ہے انتظاری ہے اضطراب
نہ تو دن کو بھوکھ ہے نہ رات کو آتا ہے خواب
کیا کہیں اے تم بن پڑا ہے ہم پہ اب کیسا عذاب

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں

خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

(۳)
ہر گھڑی آنسو بہانا دیدۂ خونبار سے
آہ و نالہ کھینچنا ہر دم دل بیمار سے
رات دن سر کو پٹکنا ہر در و دیوار سے
ہے بُرا احوال اب تو ہجر کے آزار سے

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

(۴)
یاد آتی ہے تمہاری اُلفتوں کی جب کہ چاہ
پانوں میں طاقت، نہ تن میں زور، نہ معلوم راہ
دل کے ٹکڑے ہوتے ہیں آنسو بہے ہیں خواہ مخواہ
کیا غضب ہے کیا کریں کچھ بن نہیں آتی ہے آہ

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

(۵)
نہ کسی سے مہر و اُلفت نہ کسی سے پیار ہے
دل اُدھر سینے میں تڑپے جی اِدھر بیمار ہے
نہ کوئی اپنا رفیق اور نہ کوئی غمخوار ہے
کیا کہیں اب تو بہت مٹی ہماری خوار ہے

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

(۶)
گھر میں جی بہلے نہ باہر انجمن میں دل لگے
نہ پہاڑوں میں، نہ صحرا میں، نہ بن میں دل لگے
نہ خوش آوے سیر، نہ سرو و سمن میں دل لگے
اب تو تم بن نہ گلستاں، نہ چمن میں دل لگے

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

(۷)
پر نہیں اُڑ کر تمہارے پاس جو آ جائیے
چشمِ تر اور داغ سینے کے کسے دکھلائیے
جی ہی جی میں کب تلک خونِ جگر کو کھائیے
دل سمجھتا ہی نہیں کیونکر اسے سمجھائیے

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں